فروری ۱۹۹۹ء

ہنامہ

یثاق

لاہور

سئول

ڑاسرار احمد

تنزل وانحطاط کے 53 برس — اور

انجامِ بد سے نجات کا راستہ

امیر تنظیم اسلامی کا خطابِ جمعۃ الوداع

قمری حساب سے پاکستان کی عمر کے 54 ویں سال کے آغاز پر ایک لمحۂ فکریہ!

جملہ دینی جماعتیں اور مذہبی قیادتیں غور فرمائیں کہ

کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے؟

کہ پاکستان کے مستقبل کو جو داخلی اور خارجی خطرات لاحق ہیں' اور خود سوزی اور خود کشی کے بڑھتے ہوئے واقعات کی صورت میں اللہ کے کسی بڑے عذاب کے جو آثار نظر آ رہے ہیں ان کے پیش نظر اپنے اپنے جماعتی اور گروہی حصاروں سے باہر نکل کر ایک ایسا

متحدہ اسلامی محاذ

تشکیل دیں ——— جو ——— بتوفیق الٰہی :

☆ اقتدار کی کشاکش سے کنارہ کش رہتے ہوئے' کسی شخص یا جماعت کو "ہٹاؤ" نہیں بلکہ "اسلام لاؤ" کی عوامی تحریک چلائے۔

☆ اور اس کیلئے خالص قرآنی لائحہ عمل یعنی "دعوت اِلی الخیر' اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (آل عمران : ۱۰۴) سے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے۔

☆ اور معتدبہ قوت حاصل ہونے پر "نھی عن المنکر بالید" یعنی برائی کے خلاف طاقت کے استعمال کے ضمن میں پُر امن مظاہروں' ہڑتالوں' گھیراؤں حتیٰ کہ سول نافرمانی کی صورت اختیار کر لے!

☆ تا آنکہ یا سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم' اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے' یا اللہ ہمیں شہادت کی موت عطا فرما دے!

اِس مقصد کیلئے اِن شاء اللہ جلد ہی میں خود بھی زعمائے ملت کے دربائے عالی پر حاضری دوں گا — تاہم سبقت اِلی الخیر کے خواہاں حضرات مجھ سے رابطہ میں پہل کریں گے تو یقیناً عند اللہ ماجور ہونگے۔

واضح رہے کہ تنظیم اسلامی مجوزہ محاذ کی داعی تو ہے لیکن کسی عہدے کی ہرگز طالب نہیں!

الداعی الی الخیر ——— خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ ——— امیر تنظیم اسلامی

○ 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور ○ فون : 3-5869501 ○ فیکس : 5834000

email : anjuman@brain.net.pk

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۲
شوال المکرم ۱۴۱۹ھ
فروری ۱۹۹۹ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زرتعاون -/۱۰۰

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون : 03۔02۔5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ______ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ موت العالم موت العالم ______ ۷
مولانا محمد طاسین کا سانحہ ارتحال

☆ تذکرہ و تبصرہ ______ ۹
تنزل و انحطاط کے ۵۳ برس —— اور انجامِ بد سے نجات کا راستہ
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ پاکستان میں اسلامی انقلاب ______ ۴۱
کیا؟ —— کیوں؟ —— اور کیسے؟
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ فکر عجم (۱۵) ______ ۵۹
علامہ اقبال اور ایران کا اسلامی انقلاب
ڈاکٹر ابو معاذ

☆ حقیقت احوال ______ ۷۱
امیر تنظیم کی جانب سے جانشین کے فیصلہ کا پس منظر
عطاء الرحمٰن، شکاگو

☆ جشن قرآن ______ ۷۵
قرآن اکیڈمی لاہور میں خلاصۂ مباحث قرآن کے پروگرام کی رُوداد
مرتب : محمد فرقان دانش

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

"متحدہ اسلامی محاذ" کے قیام کی تجویز

گزشتہ ماہ' رمضان المبارک کی ۲۷ویں شب کو' جسے عرف عام میں لیلۃ القدر کہا جاتا ہے' پاکستان نے اپنی عمر کے ۵۳ سال مکمل کئے اور ۵۴ویں برس میں قدم رکھا۔ اس موقع پر لاہور میں جمعۃ الوداع کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' نے پاکستان کی اب تک کی تاریخ اور اہل پاکستان کی کارگزاری خصوصاً میاں نواز شریف کے موجودہ دو سالہ دور حکومت میں نفاذ اسلام کی جانب پیش رفت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے "کیا کھویا اور کیا پایا؟" کے عنوان سے ایک بھرپور اور نہایت حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا کہ قومی و سیاسی' دینی و مذہبی' علمی اور اخلاقی' فنی و تعلیمی اور سماجی و معاشی اعتبار سے پچھلے ۵۳ برسوں میں ہم نے کتنی کچھ ترقی کی ہے اور کیسی کچھ تنزلی ان میدانوں میں ہوئی ہے ——— اس جائزے کے نتیجے میں بحیثیت مجموعی جو قومی صورتحال سامنے آئی وہ انتہائی سنگین اور تشویشناک ہی نہیں نہایت مایوس کن بھی ہے۔ چند ایک کامیابیوں کے سوا کہ جن میں قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا' دستورِ پاکستان میں اسلامی دفعات کی شمولیت اور ایٹمی دھماکہ کر گزرنا قابل ذکر ہیں' قریباً ہر میدان میں آج ہم تنزلی اور انحطاط کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ سودی معیشت کی تباہ کاریوں کے باعث معاشی اعتبار سے مفلوج ہونے اور سودی قرضوں کی دلدل میں گردن تک غرق ہونے کے باوجود آج بھی ہمارے حکمران اپنا قبلہ درست کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ ان کی ساری امیدیں اب بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے وابستہ ہیں اور ان کا ملجاو ماویٰ اور واحد پناہ گاہ اور سہارا آج بھی امریکہ ہے جس کی بے وفائی اور بدعہدی کا تجربہ ہمیں ہر اس نازک موقع پر ہوا کہ جب ہمیں اس کی مدد اور حمایت کی اشد ضرورت تھی۔ گویا ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پر نہ رینگ!

اللہ کے اس واضح حکم کے ہوتے ہوئے کہ "اے مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ (انہیں اپنا حمایتی اور مددگار مت سمجھو)" ـــــ اور سود کے بارے میں اس سخت ترین وعید کہ "اگر تم ایسا نہیں کرتے (یعنی سود نہیں چھوڑتے) تو سن لو کہ پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے" کے باوجود ہمارا یہ طرزِ عمل اللہ کے غضب کو بھڑکانے اور اس کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف نہیں تو پھر کیا ہے!!

امیر تنظیم اسلامی نے اس مفصل خطاب میں' جسے ٹیپ کی ریل سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے زیر نظر شمارہ میں ہدیہ قارئین کر دیا گیا ہے' اصلاح احوال کی غرض سے دینی و مذہبی جماعتوں پر مشتمل ایک "متحدہ اسلامی محاذ" کے قیام کی تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہمارے موجودہ حکمران اگر اپنی موجودہ روش کو بدلنے اور اپنا قبلہ درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو پھر دینی جماعتوں اور مذہبی طبقات کے لئے لازم ہو گا کہ وہ

"تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے"

کے مصداق سر پر مسلط عذاب الٰہی کو ٹالنے کی خاطر فوری تدبیر کے طور پر مل جل کر ایک غیر سیاسی اور خالص اسلامی محاذ تشکیل دیں جو کسی سیاسی معاملے کو ایشو بنانے کی بجائے "اسلام لاؤ' پاکستان بچاؤ" کے نعرہ کے ساتھ صرف اور صرف دین و شریعت کے نفاذ اور سود کے خاتمے کے لئے ایک پریشر گروپ کے طور پر تحریک اٹھائے۔ تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر اس کے لئے دینی جماعتوں کو دعوت عمل اور مسلمانانِ پاکستان کو دعوت فکر دینے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے۔ امیر تنظیم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ تنظیم اسلامی اس محاذ میں شریک رہے گی۔ اس تجویز کو' جسے اخباری اشتہار کی صورت میں عام کیا گیا تھا' پاکستان کے طول و عرض میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے امیر تنظیم اسلامی نے نمایاں دینی جماعتوں کے سربراہان اور زعماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں ابھی تک جو پیش رفت ہوئی ہے' قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم اس کا خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں :

اس سلسلے میں اب تک جماعت اسلامی کے امیر و رہنما قاضی حسین احمد' ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری' جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی رہنما

مولانا محمد اجمل خان اور تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان سے امیر تنظیم اسلامی کی ملاقات ہو چکی ہے ـــــ محترم قاضی صاحب نے امیر تنظیم سے اپنی مختصر ملاقات میں سابقہ تجربات کی روشنی میں متحدہ محاذوں کی کارکردگی سے عمومی مایوسی کا اظہار کیا کہ اس راستے سے انہیں کسی خیر کی توقع نہیں ہے' تاہم انہوں نے امیر تنظیم کی تجویز پر مزید غور کرنے کا وعدہ فرمایا ـــــ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اس تجویز سے اصولی طور پر اتفاق کا اظہار کیا اور امیر تنظیم کو تعاون کا یقین دلاتے ہوئے دینی جماعتوں کے زعماء اور علماء کے مابین ذہنی و فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے ابتدائی قدم کے طور پر رابطہ کونسل کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا اجمل خان نے بھی امیر تنظیم اسلامی کے تجویز کردہ "متحدہ اسلامی محاذ" کی بھرپور تائید کی اور اس کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کا اعتراف کیا۔ مولانا مدظلہ نے اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ وہ اس تجویز کو جے یو آئی کی آئندہ مشاورت میں پوری اہمیت کے ساتھ پیش کریں گے ـــــ تحریک اسلامی کے سیکرٹری جنرل محمد جلیل خان نے ٹیلی فون کے ذریعے اپنے ایک پیغام میں اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے تعاون کی یقین دہانی کرائی اور امیر تنظیم کو بتایا کہ اسے شوریٰ کے آئندہ اجلاس کے ایجنڈے میں شامل کر لیا گیا ہے ـــــ تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب سے اس ضمن میں جو ملاقات ہوئی وہ نہایت حوصلہ افزا اور مفید مطلب تھی۔ امیر تنظیم نے جب مولانا سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ الاخوان کے لاہور کے عہدیداروں سمیت خود ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ "اسلام لاؤ' پاکستان بچاؤ" کو وقت کی آواز قرار دیتے ہوئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ "متحدہ اسلامی محاذ" کی تجویز کی بھرپور حمایت کی بلکہ اس ضمن میں ہر ممکن تعاون کا بھی یقین دلایا۔ مولانا کا فرمانا تھا کہ عوام تقریریں سن سن کر تھک چکے ہیں اب ہمیں آگے قدم بڑھانا ہو گا۔ مولانا اعوان کی امیر تنظیم سے قریباً ڈیڑھ گھنٹے پر محیط ملاقات میں اہم دینی و ملی معاملات زیر گفتگو آئے۔

اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اس کے اگلے قدم کے طور پر ملک کے اہم شہروں میں "منہاج محمدیؐ

کانفرنسوں" کا انعقاد پیش نظر ہے۔ تاکہ وہ منہاج محمدیؐ جس کے خدوخال کا پہلے اخباری اشتہار میں بھی اشارتاً ذکر موجود تھا' پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئے' تمام دینی جماعتوں کے زعماء اور وابستگان اس پر خالص علمی انداز میں غور کریں اور پھر اس نہج پر اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا جا سکے ــــــ اس امر کی مزید وضاحت اس اشتہار کے ذریعے بخوبی ہو جاتی ہے جو حال ہی میں قومی اخبارات میں شائع کرایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :

- سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں آج تک قیامِ نظامِ مصطفیؐ اور نفاذِ شریعت اسلامی کیلئے جو جدوجہد بھی ہوئی ہے وہ "منہاجِ مُحمّدیؐ" کی بجائے مروجہ سیاسی طریق پر ہوئی ہے' یعنی : یا انتخابات میں حصہ لیا گیا ــــ یا کسی ناپسندیدہ حکومت کو گرانے کے لئے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریکیں چلائی گئیں۔
- ادھر اُسوۂ رسولؐ اور عقل و منطق کے تقاضوں پر مستزاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہ زریں حکیمانہ اقوال بھی ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں کہ :

"اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اس طریقے پر جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی"

- چنانچہ تمام تر خلوص کے باوجود آج تک کی جملہ مساعی کا حاصل صفر سے کچھ ہی اوپر ہے۔

لہٰذا ایک انقلابی انداز کے ــــ **متحدہ اسلامی محاذ** ــــ کی تشکیل کے ضمن میں

اولاً یہ ضروری ہے کہ **منہاجِ مُحمّدیؐ** کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے

لہٰذا اِس مقصد کے حصول کے لئے عنقریب پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام "منہاجِ محمدیؐ کانفرنسیں" منعقد کی جائیں گی ــــ اُمید ہے کہ علماء کرام' دانشورانِ اُمت اور زُعمائے ملت ان میں شرکت فرما کر اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔

الداعی الی الخیر ــــ **ڈاکٹر اسرار احمد** ــــ امیر تنظیم اسلامی

○ 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور ○ فون : 5869501-3 ○ فیکس : 5834000
email : anjuman@brain.net.pk

موتُ العالِمِ موتُ العالَم

مولانا محمد طاسین کا سانحۂ ارتحال

مجلس علمی کراچی کے صدر، نامور عالم دین و محقق اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے داماد مولانا محمد طاسین ۲۳ رمضان المبارک کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اللھم اغفرله وارحمه وادخله فی رحمتک وحاسبه حسابا یسیرا۔

امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ مولانا مرحوم کا مشفقانہ تعلق جس میں بہت سے اہم دینی معاملات میں ذہنی و فکری ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ احترامِ باہمی کا عنصر بھی نمایاں تھا، زندگی کے آخری سانس تک برقرار رہا۔ مولانا، تنظیم اسلامی کے "حلقۂ مستشارین" کے، جو گزشتہ چند برسوں سے تعطل کا شکار تھا، مستقل رکن رہے اور امیر تنظیم کی دعوت پر "محاضراتِ قرآنی" اور دیگر پروگراموں میں باہتمام شریک ہوتے رہے۔ موجودہ نظامِ زمینداری اور بالخصوص مزارعت کے بارے میں ان کے نظریات امیر تنظیم کے نزدیک خصوصی اہمیت کے حامل تھے، چنانچہ "مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" کے عنوان سے اس موضوع پر مولانا مرحوم کی ایک مبسوط کتاب بھی امیر تنظیم کی ہدایت پر مرکزی انجمن نے شائع کی اور ان افکار کو بڑے پیمانے پر عام کیا۔

قریباً تین ماہ قبل نومبر ۹۸ء میں کراچی میں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر جب مولانا، امیر محترم سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی تشریف لائے تو اندازہ ہوا کہ مولانا کی صحت تیزی سے گر رہی ہے۔ ان کے چہرے پر ضعف اور نقاہت کے آثار نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ تاہم یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلد داغ مفارقت دے جائیں گے۔ ع
"آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے!" ــــــ

مولانا طاسین مرحوم کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کا ایک مختصر اور اجمالی خاکہ جو مرحوم کے صاحبزادے جناب محمد عابد کے تعاون سے ہمیں موصول ہوا، پیش خدمت ہے :

"نام محمد طاسین ولد عبد الرحمٰن، تاریخ پیدائش ۱۹۲۳ء، مقام پیدائش ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد۔ مقامی مکتب اور اسکول کی تعلیم کے بعد درس نظامی کی ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے بعض دینی مدارس میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کا موقع یوپی (انڈیا) کے بعض دار العلوموں، دیوبند، مراد آباد، امروہہ وغیرہ میں ملا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ امروہہ میں بحیثیت استاذ اعلیٰ درجات کو چار سال تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک، تقسیم پاکستان کے بعد متعدد مدارس جیسے دار العلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ بنوری

ٹاؤن میں مولانا مرحوم درجہ تخصص میں مقدمہ ابنِ خلدون وغیرہ پڑھاتے رہے۔ جدید سماجی' معاشرتی' سیاسی علوم سے آگاہی طویل مطالعے سے ہوئی مگر معاشیات کا مطالعہ خاص موضوع رہا' جیسا کہ مولانا کی کتابیں اس کی شاہدِ عادل ہیں۔ کچھ عرصہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں بحیثیت ریڈر ریسرچ اسکالر کے تدریس اور تحقیق میں مشغول رہے۔ مطالعہ کے ذوق و شوق نے مجلس علمی لائبریری (جو اسلامی علوم کی ممتاز اور قدیم لائبریری ہے) کی سربراہی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مولانا ہی کے وجود سے مجلس علمی روایت اور درایت' جدیدیت اور قدیمیت کی سنگم بن گئی۔ گو مجلس علمی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور رسمیت کا دائرہ چاک کر کے حقیقت پسندی پر جا پہنچے۔ لائبریری سے استفادہ کرنے والے مصنفین اور ریسرچ اسکالرز کی علمی راہنمائی کا حق ادا کیا۔ علومِ اسلامی' تاریخ اسلامی اور اسلامی سوشل سائنس کے بہت سے پی ایچ ڈی کے طلبہ کی کو مقالے تیار کرنے میں ہر ممکن علمی مدد کی' جو آج مختلف یونیورسٹیوں میں بحیثیت ڈاکٹر اور پروفیسر فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نے مختلف اسلامی موضوعات پر وقتاً فوقتاً بہت سے مقالات لکھے ہیں جو اعلیٰ معیار کے علمی ماہناموں میں شائع ہوئے اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ پاکستان ریڈیو پر مختلف موضوعات سے متعلق بکثرت تقاریر اور پروگرام نشر ہوئے۔ ٹی وی کے اسلامی پروگراموں میں بھی خاصا موقع ملا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہے۔ کراچی یونیورسٹی اور کوئٹہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی اور اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً ۳۰ سال تک ممبر رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سلیکشن بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ دعوۃ اکیڈمی اور بعض دیگر کونسلوں کے ممبر بھی رہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل مقالات کے ممتحن بھی رہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے وفاقی شرعی عدالت کے ماہر شریعت مشیر مقرر ہو گئے تھے۔ انکوائری برائے خواتین کمیشن کے رکن بھی رہے جو فیڈرل گورنمنٹ کا مقرر کردہ اعلیٰ سطحی کمیشن تھا جس کے چیئرمین سپریم کورٹ کے سینئر جج تھے۔ حضرت مولانا طاسین (نور اللہ مرقدہ) کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۹۸ء بروز بدھ ہوئی۔

مولانا طاسین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی جو کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں :

(۱) خطباتِ ماثورہ
(۲) مروجہ نظام زمینداری اور اسلام
(۳) اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات
(۴) سیرت طیبہ میں حکمت کا پہلو
(۵) سیرت محمدیہؐ کا سیاسی پہلو
(۶) سیرت محمدیہؐ کا معاشی پہلو
(۷) معاشی مساوات اور سیرت محمدیہؐ
(۸) عورتوں کی شہادت قرآن و حدیث کی روشنی میں
(۹) شوریٰ کا اسلامی تصور
(۱۰) تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار
(۱۱) قرآن کی اخلاقی و قانونی تعلیمات
(۱۲) عدل اجتماعی کا اسلامی تصور
(۱۳) بعض اہم معاشی معاملات کی شرعی حیثیت کا تحقیقی جائزہ۔

تنزل وانحطاط کے 53 برس

— اور —

انجامِ بد سے نجات کا راستہ

پاکستان کی عمر کے 53 برس اور موجودہ حکومت کے دو برس مکمل ہونے پر
خود احتسابی کے نقطہ نگاہ سے ایک بھرپور تنقیدی جائزہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ جمعۃ الوداع

خطبہ مسنونہ' سورۃ الانفال کی آیت ۲۶' سورۃ الاعراف کی آیات ۱۲۹ اور ۱۷۵ تا ۱۷۷ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین! پاکستان کی عمر قمری حساب سے ۵۳ برس ہو چکی ہے اور آج رات کو ہم ۵۴ ویں برس میں قدم رکھیں گے۔ یہ یقیناً ایسا موقعہ ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ ہماری منزل کیا تھی' ہم کس سمت میں چلے تھے اور اس کے اعتبار سے ہم کہاں پہنچے ہیں۔ اس عرصے میں کوئی کمائی کی تو کیا؟ کچھ گنوایا تو کیا؟ گویا ہماری بیلنس شیٹ کیا ہے۔ پھر یہ کہ ہم داخلی اعتبار سے اور بین الاقوامی و عالمی اعتبار سے اِس وقت کہاں کھڑے ہیں' اور جو تباہ کن خطرات ہمیں نظر آ رہے ہیں ان سے بچاؤ کا کوئی راستہ ہے یا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کون سا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نہایت اہم ہے۔ اگرچہ جزوی طور پر ان میں سے بعض مسائل پر وقتاً فوقتاً میرے خطابات میں گفتگو ہوتی رہتی ہے' تاہم اس پورے عرصے کی ایک بیلنس شیٹ بنانے کے اعتبار سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان کو دہرایا جائے اور انہیں ایک بڑے فریم میں ایک وحدت کی حیثیت سے فٹ کیا جائے۔

قرآن حکیم میں "تحریک پاکستان کا ذکر"

سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس ضمن میں قرآن مجید میں ہمارے لئے کیا راہنمائی ہے؟ قرآن مجید میں ایک مقام پر کہا گیا ہے کہ ﴿ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ﴾ یعنی اس میں تمہارا ذکر بھی موجود ہے۔ اگرچہ اس کے ایک معانی یہ بھی لئے گئے کہ اس میں تمہارے حصے کا ذکر یعنی تمہارے حصے کی نصیحت موجود ہے' لیکن دوسرا مفہوم بھی لیا گیا ہے' جس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی مدح فرماتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ((فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَ نَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ)) ظاہر بات ہے اُس وقت آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کر رہے تھے کہ "اس قرآن میں تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں بھی ہیں' تمہارے بعد آنے والے لوگوں کے حالات بھی ہیں اور تمہارے مابین پیدا ہونے والے اختلافات کا حل اور حکم بھی موجود ہے"۔ اس اعتبار سے میرا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ میں نے پیش آمدہ مسائل میں ہمیشہ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کیا ہے اور قرآن مجید نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ کا مطالعہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ آیت عین تحریک پاکستان کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی تاثر ہے جیسا کہ حضور ﷺ کے انتقال پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جذبات میں آگئے تھے اور انہوں نے تلوار کھینچ لی تھی کہ جو کہے گا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس کیفیت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے جہاں حضور ﷺ کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا' جا کر حضور ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور باہر آئے۔ پھر آپؓ نے خطبہ دیا :

> "جو کوئی محمد ﷺ کو پوجتا تھا وہ جان لے کر محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا وہ جان لے کر اللہ کو تو ہمیشہ زندہ رہنا ہے' اسے کبھی موت نہیں آئے گی..."

پھر یہ آیت پڑھی :

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ.... ﴾ (آل عمران : ۱۴۴)

"محمد (ﷺ) تو اللہ کے ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل جاہلیت میں واپس چلے جاؤ گے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ایسا محسوس کیا کہ یہ آیت گویا ابھی نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ آیت تو آٹھ برس پہلے ۳ھ میں نازل ہو چکی تھی۔ اسی طرح میں عرض کر رہا ہوں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ ٹھیک تحریک پاکستان کے پس منظر میں نازل ہوئی۔

آیت کا مضمون ملاحظہ کیجئے: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ "یاد کرو جبکہ تم اقلیت میں تھے' زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا"۔ یہاں "الْاَرْضِ" سے تاویل خاص کے اعتبار سے تو مکے کی زمین مراد ہے لیکن میں تاویل عام میں اسے "ارضِ ہند" سے تعبیر کر رہا ہوں۔ یعنی اے مسلمانانِ ہند! یاد کرو جبکہ تم ارضِ ہند میں اقلیت میں تھے' تمہیں دبا لیا گیا تھا' ہندو اکثریت تم پر ہر اعتبار سے چھا گئی تھی۔ سیاسی اعتبار سے انڈین نیشنل کانگریس ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھر چکی تھی اور ایک عالمی مقبولیت رکھنے والا راہنما مہاتما گاندھی ان کا قائد تھا' جس کی مقبولیت کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا۔ سرمایہ ان کے پاس بے انتہا تھا' صنعت اور تجارت میں وہ بہت آگے نکل چکے تھے' تعلیم میں وہ بہت آگے جا چکے تھے' سرکاری ملازمتوں میں وہ بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ غرضیکہ وہ ہر اعتبار سے ہندوستان کے اوپر چھا چکے تھے اور مسلمان دب گئے تھے' پس گئے تھے۔ اس صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں' جنہیں میں نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انگریز نے چونکہ مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی لہٰذا اس نے مسلمانوں کو دبایا کہ ان کے اندر بغاوت کے جراثیم ہو سکتے ہیں۔ ہندو تو پہلے مسلمان کا غلام تھا اب انگریز کا ہو گیا' اس کو تو کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا ہندو نے نئی تہذیب اور نئے علوم کی خوب پذیرائی کی' جبکہ مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت' اپنی زبان اور اپنی اقدار کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ اس طرح کے مختلف اسباب تھے جن کی وجہ سے مسلمان بہت پیچھے چلے گئے اور ہندو بہت آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ اب ہمارے مذہب

پر بھی ڈاکے پڑنے شروع ہو گئے تھے' شُدھی کی تحریک اتنے زور و شور سے چلی تھی کہ جہاں جاہل مسلمان آباد تھے ان کو تیزی کے ساتھ ہندو بنایا جا رہا تھا۔ گویا ہماری زبان' معاشرت' معیشت پر ہر اعتبار سے ہندو قابض آچکا تھا۔ یہ تو ہو چکا تھا ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ ابھی تمہیں مزید اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ یعنی ابھی تو انگریز درمیان میں موجود تھا' کم سے کم قانون کی حکمرانی تھی اور ہمیں کچھ تحفظ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء کی ایک بہت بڑی زوردار طاقت موجود تھی جو کہتے تھے کہ ہمیں انگریز کو پریشان نہیں کرنا چاہئے' اس لئے کہ انگریز ہمیں سہارا دیئے ہے' اس نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی ہے اور اگر انگریز یہاں سے فوری طور پر ہٹ گیا تو پھر ہندو جو کچھ کرے گا اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث کا یہی موقف تھا۔ میں نے آپ کو تینوں طبقے گنوا دیئے' دیو بندی' بریلوی' اہلحدیث۔ اس حوالے سے ایک بڑا طبقہ یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی تو انگریز ہے' اگر یہ ملک ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہو جاتا ہے تو کیا ہو گا؟ اس لئے کہ زمانہ تھا One man one vote کا' اب شمشیر زنی کا زمانہ تو نہیں تھا۔ اگر شمشیر زنی کا زمانہ ہوتا تو مسلمان اب بھی بھاری ہوتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ انگریز چلا گیا تو ہندو ہمیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے' ہماری تہذیب' ثقافت' تمدن کا استحصال کریں گے' یہاں تک کہ ہمارے مذہب کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔

دیکھئے اس آیت میں تین عوامل بیان ہوئے ہیں جو پوری تحریک پاکستان کے اصل محرک (motivating force) کی حیثیت رکھتے ہیں : (i) ﴿ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ﴾ "یاد کرو جب تم اقلیت میں تھے"۔ (ii) ﴿ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ "زمین میں بے زور سمجھے جاتے تھے" تمہیں ہر طرح دبالیا گیا تھا۔ (iii) ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ "تمہیں ڈر تھا کہ لوگ تمہیں اُچک کر نہ لے جائیں"۔ تاویل عام میں اُس وقت "الناس" سے مُراد یہاں ہندو اکثریت تھی اور ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ ہمیں بے خانماں نہ کر دیں۔ ﴿ فَاٰوٰىكُمْ ﴾ "تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی" ﴿ وَاَيَّدَكُمْ

بِنَصْرِہٖ ﴾ "اور خود اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی" اور تمہیں پاکستان جیسا ملک دیا ﴿ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ "اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا" ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم شکر کرو۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اس کو سمجھ لیجئے کہ یہ معجزے سے ہرگز کم نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے اپنی کتاب استحکام پاکستان کا حوالہ دینا پڑ رہا ہے۔ اس میں پورا باب موجود ہے کہ قیامِ پاکستان ایک معجزہ ہے۔ پاکستان کا قیام کسی حساب کتاب میں نہیں تھا۔ گاندھی جیسا مہاتما چند مہینے پہلے کہہ چکا تھا کہ پاکستان میری لاش پر بنے گا۔ قائداعظم خود ایک سال پہلے آزاد پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو چکے تھے۔ کیونکہ جب کیبنٹ مشن پلان مان لیا تو اس کے معانی کیا تھے' کم سے کم دس سال تک آزاد پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری۔ یعنی ایک ملک ہو گا' ایک مذہبی حکومت ہو گی' تین زون ہوں گے' جنہیں اندرونی طور پر کچھ اختیارات حاصل ہوں گے۔ ہاں اگر دس سال کے بعد کوئی زون علیحدہ ہونا چاہے گا تو اسے اس کا اختیار ہو گا۔ تو گویا دس سال تک تو پاکستان کا قیام ملتوی ہو گیا تھا۔ پھر برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی جو کانگرس کی ہمنوا' ہمدرد اور مؤید تھی۔ جبکہ ان کے وزیراعظم کو قائداعظم سے شدید کد' نفرت اور بغض تھا۔ اب تو یہ چیزیں لکھی ہوئی آ چکی ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلا تھا اور اس کے نہرو فیملی کے ساتھ جو مراسم تھے اس پر تو بہت سی شکوک و شبہات کی باتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ ان حالات میں پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ اللہ کی خاص مشیت کا مظہر ہے۔ جیسا کہ ایک سال پہلے رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب میں مولانا حسین احمد مدنی نے سلہٹ میں کہہ دیا تھا کہ ملأ اعلیٰ میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

قیامِ پاکستان اور سُنّت اللہ

اللہ نے پاکستان کیوں دیا' اس کو سمجھ لیں۔ اللہ کا یہ قاعدہ قانون ہے کہ اگر کوئی قوم بحیثیت مجموعی یا انسانوں کا کوئی گروہ اللہ سے وعدہ کرے کہ اے اللہ ہمیں یہ شے دے دے تو ہم یہ کریں گے' تو اللہ اس پر حجت قائم کرتا ہے تاکہ وہ انہیں ایک موقع دے کر

آزمائے ﴿ فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ "پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کرتے کیا ہو" تم اپنا وعدہ پورا کرتے ہو یا نہیں۔ دوسرے صحیح احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قیامت سے پہلے احیائے اسلام میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی رول متعین ہے۔ اور گیارہویں صدی ہجری کے بعد ہندوستان میں مجددِ دینِ اسلام کی پیدائش سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جابجا احیائے اسلام کی نوید سنائی ہے۔

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

یہ جو خواب تھا کہ اسلام کا احیاء ہو گا' اسلام پھر دنیا میں دوبارہ غالب ہو گا' یہ چیز بھی تحریک پاکستان میں ایک کرنٹ کی حیثیت سے شامل ہو گئی تھی۔ ایک طرف ہندو کا خوف اصل قوتِ محرکہ تھی' دوسری طرف جیسے جیسے تحریک پاکستان آگے بڑھی احیاءِ اسلام کے جذبے نے ایک عوامی نعرے کی شکل اختیار کر لی : "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ اِلاّ اللہ"۔ عیدین اور جمعہ کے اجتماعات میں دعائیں مانگی گئیں کہ اے اللہ ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے دے' ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے' تیرے نبی کا نظام قائم کریں گے۔ یہ اجتماعی طور پر اللہ کے حضور میں درخواست تھی' جس کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے وہ حجت قائم کر دی۔

سورۃ الاعراف میں ایک مقام پر مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہمارا حال تو یہ ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے بھی ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور آپ کی آمد کے بعد بھی ہمارا وہی حال ہے' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں :

﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۲۹)

"عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں خلافت اور تمکن عطا کرے گا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔"

ابھی تم مجبور ہو' مقہور ہو' محکوم ہو' غلام ہو' جب آزاد ہو جاؤ گے' تمہارے ہاتھ میں اختیار آ جائے گا' جب تمہیں استخلاف مل جائے گا۔ پھر اللہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اپنے وعدے پورے کرتے ہو یا نہیں۔ بعینہٖ یہی بات قیامِ پاکستان کا مظہر بنی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام کم سے کم وقتی طور پر ہندو قوم کی ہلاکت کے مترادف تھا۔ کیونکہ ہندو قوم کی پون صدی کی جدوجہد تھی جو آنِ واحد میں ناکام قرار دے دی گئی۔ سورۃ الحشر میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے ﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ان کا یہی حال تھا۔ وہی جواہر لعل نہرو اور پٹیل جو پاکستان کا نام تک سننے کو تیار نہیں تھے اسی جواہر لعل نہرو کو ماؤنٹ بیٹن سے کہنا پڑا کہ آپ جایئے اور باپو کو راضی کیجئے' ہم باپو سے تقسیم ہند کی بات نہیں کہہ سکتے' ہمارے اندر یہ ہمت نہیں۔ کس قدر اوس پڑی ہو گی پوری ہندوستانی قوم پر کہ ان کی بھارت ماتا کے ٹکڑے ہو گئے اور ان کی پون صدی کی جدوجہد زیرو ہو گئی۔ ہندو قوم تو اس کو کسی صورت گوارا کرنے بلکہ سننے تک کو تیار نہیں تھی۔ یہ تو انہوں نے کچھ امیدیں باندھ لی تھیں کہ عنقریب پاکستان ختم بھی ہو جائے گا۔ یہ جو جبری ہجرت کروائی گئی کہ ہندو یہاں سے نکل جائیں اور مسلمان وہاں سے نکل جائیں یہ اس لئے تھا کہ ایک ایسی ابتری اور اختلال (chaos) کی کیفیت پیدا ہو جائے کہ پاکستان بنتے ہی ختم ہو جائے۔ انہیں اس کی پوری توقع تھی' للذا انہوں نے عارضی طور پر شکست تسلیم کی تھی۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قیامِ پاکستان ایک معجزہ تھا۔ ہندو اور انگریز نے خود اپنے ہاتھ سے پاکستان بنایا۔ ماؤنٹ بیٹن نے خود کسی طریقے سے جا کر گاندھی کو راضی کیا تھا۔ کیا پٹی پڑھائی ہو گی' اس کے کان میں کیا پھونک ماری ہو گی' کیا وعدے وعید کئے ہوں گے کہ میں کشمیر کا معاملہ اس طرح کر دوں گا اور پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا' ورنہ گاندھی جیسا آدمی کیسے مان گیا' جو چند دن پہلے کہہ چکا تھا کہ پاکستان میری لاش پر بن سکتا ہے۔ دراصل یہ ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ﴾ کا مظہر تھا کہ "ہو سکتا ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" ﴿ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ "اور زمین میں تم کو حکومت عطا کرے" ﴿ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ "اور پھر وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو!"۔

آج میری اس گفتگو کا مقصد ﴿ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ کا جائزہ لینا ہے' یعنی ہم بھی دیکھیں ہم نے کیا عمل کیا ہے' کیا کمایا ہے' کیا گنوایا ہے' کیا بنایا ہے' کیا بگاڑا ہے۔ اس جائزے کو میں دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہوں۔ اولاً ہم رمضان المبارک ۷ ۱۹۴ء سے رمضان المبارک ۷ ۱۹۹ء تک' یعنی قیامِ پاکستان سے نواز شریف حکومت کے آغاز تک کے عرصے کا جائزہ لیتے ہیں۔ قمری اعتبار سے یہ عرصہ ۵۱ سال کو محیط ہے۔ اس عرصے میں مختلف اعتبارات اور اجتماعی زندگی کے مختلف عنوانات کے تحت ہم نے کیا کھویا' کیا پایا؟ اس دوران ہم نے ان شعبوں میں ترقی کا سفر طے کیا ہے یا تنزل و انحطاط کا؟۔

نصف صدی کی فردِ عمل

۱۔ دستوری سطح پر ہمارے ہاں ابتداء میں کچھ پیش رفت ہوئی۔ قراردادِ مقاصد پاس ہوئی' ہم نے کہا کہ حاکمیت اللہ کی ہے۔ یہ مقصد قیام پاکستان کی طرف صحیح رُخ پر ایک مثبت پیش رفت تھی۔ لیکن اس کے بعد اس ضمن میں پورے ۵۳ برس میں جتنے کام ہوئے وہ بالکل غیر مؤثر اور منافقانہ طرزِ عمل کے حامل تھے۔ اسلامی نظریات کونسل بنائی گئی جو غیر مؤثر ہے' اس کی سفارشات کو کوئی تنفیذی قوت حاصل نہیں۔ وفاقی شرعی عدالت بنائی گئی تو اس پر بھی پابندیاں لگادی گئیں کہ دستورِ پاکستان' ضابطۂ دیوانی' ضابطۂ فوجداری اور مسلم پرسنل لاء اس کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے جبکہ مالیاتی قوانین کو دس سال کے لئے اس کے دائرے سے باہر کیا گیا۔ اور جب دس سال گزر گئے تو وفاقی شرعی عدالت نے بینک انٹرسٹ کو سود اور حرام قرار دے دیا۔ اس پر ہماری منافقت سامنے آئی اور شریعت کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دستور میں موجود اسلامی دفعات کی کوئی مؤثر حیثیت نہیں ہے۔ قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء میں پاس ہوئی' اب ۱۹۹۹ء ہے اور مارچ میں اس کو پچاس برس پورے ہو جائیں گے۔ اس قرارداد کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کتاب و سنت کی مکمل بالادستی ہو' لیکن یہ کڑوی گولی ہم آج تک نہیں نگل سکے' اس لئے میں نے بارہا کہا ہے کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔

۲۔ سیاسی سطح پر افرا تفری اور عدم استحکام کا دَور دورہ رہا کہ حکومتیں بن رہی ہیں، بگڑ رہی ہیں۔ ایک تکون تھی جو حرکت کرتی تھی، کبھی ایک رُخ (phase) سامنے آ گیا کبھی دوسرا سامنے آ گیا۔ یہ تکون آرمی، بیورو کریسی اور کچھ پشتینی سیاست دانوں (جاگیرداروں) پر مشتمل تھی۔ جب سیاسی حکومت آتی ہے تو یہ جاگیردار لوگ آگے آ جاتے ہیں، فوج اور بیورو کریسی ذرا پیچھے چلی جاتی ہے۔ مارشل لاء کی شکل میں اگر فوج سامنے آتی ہے تو سیاست دان اور بیورو کریٹ پیچھے چلے جاتے ہیں، جبکہ صدر ایوب نے ایک زمانے میں بیورو کریسی کو آگے کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے مارشل لاء تو جلد ہی ہٹا دیا تھا۔ اس لئے ان کا دور بیوکریسی کا دور تھا، اس میں آرمی بھی پیچھے تھی اور سیاست دان بھی پیچھے تھے۔ ایک بار پنڈت جواہر لعل نہرو سے کہا گیا کہ آپ پاکستان سے کچھ گفت و شنید کریں، دونوں ممالک کو قریب لانے کے لئے مذاکرات کا راستہ اختیار کریں، تو نہرو نے ایک فقرہ چست کیا تھا کہ میں کس سے بات کروں، میں تو اتنے کپڑے نہیں بدلتا جتنی وہاں حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ آج ایک حکومت ہے کل کوئی اور حکومت ہے۔ چوہدری محمد علی ابھی تھے ابھی نہیں ہیں، بوگرہ امریکہ سے امپورٹ کئے گئے۔ کسی کے بارے میں پتا ہی نہیں چلتا کہ کون کیا ہے؟ ایک chaos ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی سطح پر ہم ایک نابالغ اور retarded قوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے کچھ بچوں کی ذہنی نشوونما رُک جاتی ہے، اور سولہ سال کی عمر میں بھی ان کا ذہن ابھی سات سال کا ہوتا ہے، یہی حال ہمارا ہے۔ ابھی حال ہی میں بی بی سی نے تبصرے کئے ہیں کہ فوجی عدالتوں کی صورت میں اس سویلین حکومت کو Highest Potency کا آخری انجیکشن دیا گیا ہے۔ اور رتہ اور فوج میٹر چیک کر رہی ہے، فوج ریلوے چلائے گی۔ لیکن اگر یہ انجیکشن یا تجربہ بھی نہ چلا تو کیا ہو گا؟

افرا تفری اور عدمِ استحکام کے علاوہ سیاسی سطح پر پاکستانی قوم مختلف قومیتوں میں بھی تقسیم ہو چکی ہے۔ پہلے چار قومیتوں کا راگ الاپتے رہے، پھر کراچی سے ایک دم پانچویں مہاجر قومیت بڑے زور و شور سے اٹھ کھڑی ہوئی ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے

اسی طرح ایک سرائیکی قومیت اُبھر کر سامنے آ رہی ہے۔ اب ہم ایک قوم نہیں رہے۔

۳۔ معاشی سطح پر ہمارا ریکارڈ اس حوالے سے بد ترین ہے کہ سود جوں کا توں موجود ہے اور اب اس پر جوئے کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے' جس کی ابتداء پرائز بانڈ کی شکل میں ہوئی تھی۔ اس طرح ایک طرف پوری معیشت کا تانا بانا سود اور جوئے پر مبنی ہے تو دوسری طرف ظالمانہ جاگیرداری نظام بھی جوں کا توں قائم ہے' اور موجودہ زمینداری نظام سے بڑا ظلم کوئی نہیں۔ خون پسینہ کاشتکار کا ایک ہوتا ہے اور عیش زمیندار کرتا ہے۔ کسان کے بچوں کے لئے وہ کچھ میسر نہیں ہوتا جو جاگیردار کے کتوں کو دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک بار کسی خلافِ شریعت بات پر فرمایا تھا کہ کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا' اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی۔ میں بھی وہی الفاظ استعمال کر رہا ہوں کہ اس ظلم کے ہوتے ہوئے کون سا آسمان ہم پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین ہمیں اٹھائے گی۔ اگرچہ دو دفعہ زرعی اصلاحات لائی گئی ہیں لیکن وہ صرف سنار کی "ٹھک ٹھک" ہیں' ان سے ان جاگیرداروں' نوابوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا اور زمینداری یا جاگیرداری جوں کی توں قائم ہے۔

ان ۵۱ سالوں میں معاشی میدان میں ایک اور ظلم کا اضافہ ہوا۔ وہ یہ کہ صدر ایوب کے زمانے میں کچھ صنعتی ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں ایک نودولتیا طبقہ ہمارے ہاں پیدا ہوا ہے' جس نے اسراف اور تبذیر کی وہ روایتیں قائم کی ہیں کہ پورے معاشرے پر نمود و نمائش اور اسراف کا رنگ چھا گیا ہے' حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ ﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنَ ﴾ "یقیناً فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں"۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جسے میں بھول نہیں سکتا سنتے جایئے۔ ایک بار میرے پاس تنظیم اسلامی کراچی آفس میں دو نوجوان آئے۔ یہ آج سے کوئی پندرہ سال پرانی بات ہے۔ وہ نوجوان مراد آباد (ہندوستان) کے تھے' دونوں آتے ہی دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ہم یہاں پھوپھی کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے پہلی مرتبہ مُراد آباد سے پاکستان آئے ہیں۔ وہاں ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہم بچوں کے لئے ایسے مکتب کھول سکیں

جہاں اپنے بچوں کو قرآن اور اردو پڑھادیں' لیکن یہاں ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے پھوپھا اگرچہ بہت زیادہ پیسے والے آدمی نہیں لیکن کس طرح انہوں نے پانی کی طرح شادی پر پیسہ بہایا ہے۔ وہ رو رہے تھے کہ کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ یہاں گلچھرے اڑائے جائیں۔ درحقیقت اوپر کے لوگ روایات کی طرح ڈالتے ہیں اور پھر عوام الناس ان کی پیروی کرتے ہیں کہ کیا کریں' آخر میری بچی کا بھی تو دل ہے' وہ سوچے گی کہ میری شادی پر میرے والدین نے کچھ نہیں کیا۔ اسی خرابی کے باعث کچھ بچیاں اپنے والدین کی دہلیز پر بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

۴۔ سماجی سطح پر بے پردگی' بے حیائی اور فحاشی عروج پر پہنچی۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سفلی جذبات ابھارنے کا پورا بندوبست کر رہے ہیں' نتیجتاً جنسی بے راہ روی اور گینگ ریپ عام ہے۔ کبھی کسی نے سنا تھا کہ گینگ ریپ کس شے کا نام ہے اور آج کوئی دن ہی ایسا جاتا ہوگا جس دن اس کی کوئی خبر نہ ہو' جبکہ کتنے واقعات تو ایسے ہوتے ہوں گے جو رپورٹ نہیں ہوتے۔

۵۔ امن وامان کی سطح پر قتل' ڈکیتیاں' دہشت گردی' چوریاں' غارت گری اور اغوا برائے تاوان معمول کا حصہ بن گئے۔ ہمارے وزیراعظم کو اگر شریعت کا کوئی حصہ پسند ہے تو وہ یہی تعزیرات اور سزاؤں والا حصہ ہے' تاکہ شریعت کورٹس اور قاضی کورٹس قائم کر کے ملک میں امن وامان قائم کیا جاسکے۔

۶۔ تعلیمی سطح پر دین ودنیا کی تقسیم اب بھی باقی ہے' جو انگریزی دور کی پیداوار ہے' حالانکہ علم تو ایک ناقابل تسخیر وحدت ہے۔ انگریز کے دور میں ہمیں اپنے دین کے تحفظ کے لئے دینی مدرسے قائم کرنے پڑے' کیونکہ انہوں نے اپنے کالجوں' یونیورسٹیوں میں دین تھوڑا ہی پڑھانا تھا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد اس تقسیم کا کیا جواز ہے' یہ تو ایک وحدت ہونی چاہئے تھی۔

دوسری طرف شرح خواندگی خطرناک حد تک کم ہوتی جارہی ہے۔ وہ قوم جس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے نبی پر پہلی وحی ہی یہ آئی کہ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا" اُس نبی کے ماننے والے دنیا میں ناخواندگی

کی علمبردار قوم بن کرابھرے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کی روایت یہ رہی ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں سے کہا گیا تھا کہ تم پانچ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھادو تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک صوبہ بہار ایسا تھا جس میں صرف مسلمانوں کی وجہ سے شرح خواندگی بلند ترین تھی' کیونکہ ہندوؤں کے بچے بھی مسلمانوں کے مکتبوں اور مسجدوں میں آکر پڑھتے تھے۔ آور آج ہمارا حال یہ ہے کہ معیارِ تعلیم پست سے پست تر ہوتا جارہا ہے۔ پبلک سیکٹر سے تعلیم ختم ہوگئی ہے۔ پرائیویٹائزیشن کی وجہ سے بڑی بڑی فیسوں والے خود مختار تعلیمی ادارے ہیں۔ چنانچہ اب تو تعلیم ایک کاروبار اور ملک کی ایک بڑی اور نفع بخش صنعت بن چکی ہے۔ جبکہ اسی دنیا میں متمدن قومیں کم سے کم بارہ سال تک کی تعلیم مفت دیتی ہیں۔ امریکہ میں ہائی سکول بارہ سال کا اور کینیڈا میں تیرہ سال کا ہے' اس دوران وہ ایک پیسہ نہیں لیتے' بلکہ وہ تو بچوں کو دودھ بھی پلاتے ہیں اور کئی دوسری ضروریات کے اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ کنڈر گارٹن کے لیول پر بھاری بھاری فیسیں ہیں۔ یہ فیسیں لوگ کہاں سے لاتے ہیں؟ ہمارے ہاں تنخواہوں کا ڈھانچہ تو اتنا نہیں ہے' ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے ناجائز ذرائع آمدن مثلاً رشوت' غبن اور خیانت کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے' یا پھر کوئی شریف آدمی ہے تو وہ آٹھ گھنٹے کی بجائے سولہ گھنٹے کام کر رہا ہے' دو دو جاب کر رہا ہے' اور اس طرح "burning the candle at both the ends" کا عملی مظاہرہ کررہا ہے۔

۷۔ اخلاقی سطح پر جھوٹ' وعدہ خلافی اور خیانت انتہائی عروج پر ہیں۔ یہ تین چیزیں خاص طور پر اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حضور ﷺ نے ان تین چیزوں کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔ ((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ' إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ' وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهٗ مُسْلِمٌ)) "منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے' جب کہیں امین بنادیا جائے تو خیانت کرے (جس میں یہ تینوں نشانیاں ہیں وہ پکا منافق ہے) چاہے وہ نماز پڑھتا ہو' روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو"۔

اخلاقی سطح پر نفاق کے ساتھ ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ لوٹ مار کی بھی ایک دوڑ لگی

ہوئی ہے اور اس دوڑ میں ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اگر موجودہ حکومت کو اِس لوٹ مار کے احتساب کا خیال بھی آیا ہے تو اپنا دور نکال کر، حالانکہ جب نواز شریف صاحب پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تو خود انہوں نے پلاٹوں کی بندر بانٹ کی تھی۔ میجر جنرل (ر) محمد حسین انصاری ان پلاٹوں کی لوٹ مار کے ثبوت کا پلندہ لے کر پھرتے ہیں، لیکن کون سنے، وہ زمانہ تو احتساب سے خارج ہے۔ جبکہ اس ریکارڈ کے مطابق ایک جیسی چھ درخواستیں تقریباً ایک ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی، جن پر ایک ہی نام اور تاریخ ہے، درخواست دہندہ کا کوئی ایڈریس بھی موجود نہیں ہے، سب کو پلاٹ دے دیئے گئے۔ ادھر پلاٹ کی الاٹمنٹ ہوئی ادھر پراپرٹی ڈیلر باہر کھڑے ہیں، جنہوں نے ہاتھوں ہاتھ خرید بھی لیا۔

۸۔ مذہبی سطح پر حالت یہ ہے کہ فرقہ واریت انتہا پر ہے۔ شیعہ سنی کا مسئلہ ہمارے ہاں پہلے بھی تھا، ماہِ محرم میں شیعہ سنیوں میں کچھ نہ کچھ کھٹ پٹ ہو جاتی تھی لیکن اب جس انداز میں فرقہ وارانہ قتل وغارت ہو رہی ہے اس کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی تین شکلیں ہوتی ہیں، یا آسمان سے کوئی مصیبت آتی ہے یا زمین سے، مثلاً کوئی زلزلہ آگیا، زمین پھٹ گئی اور لوگ دھنس گئے، جبکہ ایک تیسری شکل عذاب کی یہ کہ ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ "یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں ٹکرا دیں"۔ اللہ کو نہ آسمان سے کوئی عذاب نازل کرنا پڑے نہ زمین کو تکلیف دینی پڑے، بلکہ انہیں آپس میں ٹکرا دے کہ یہ ایک دوسرے کے سینے کلاشنکوف کی گولیوں سے چھلنی کر کے خود اپنے لئے عذاب کا بندوبست کرلیں گے۔ باہمی ٹکراؤ کی خاص طور پر بدترین صورت ۱۹۷۱ء میں پیدا ہوئی جب قیامِ پاکستان کو پورے ۲۵ قمری برس ہو گئے تھے۔ اللہ نے "فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ" کے مصداق پوری رُبع صدی تک مہلت دی کہ دیکھیں تم کرتے کیا ہو۔ پورے ۲۵ برس بعد پاکستان دولخت ہو گیا، ہمارے ۹۳ ہزار افراد ہندو کے قیدی (POW) بنے، جن میں ۵۳ ہزار ریگولر فوجی، سپاہی سے لے کر جرنیل تک موجود تھے۔ انہیں ﴿ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ کے مصداق چھوٹے ہو کر اپنے

ہاتھ سے اپنا اسلحہ دشمن کو پیش کرنا پڑا۔ یہ وہ قوم تھی جس نے ہندوستان پر ہزار برس تک حکومت کی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا تھا

"We have evenged our thousand years defeat"

کہ "آج ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا" اور یہ کہ "آج ہم نے دو قومی نظریہ' جو پاکستان کی بنیاد تھا' اسے خلیج بنگال میں غرق کر دیا"۔ یہ بھی ہماری بداعمالیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہی کی ایک شکل تھی۔

۹۔ <u>عسکری میدان</u> میں بھی پاکستان نے تنزل کا سفر اختیار کیا ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان سے پہلے بھارت ڈرتا تھا کہ اس پر دو طرف سے پاکستان کا دباؤ تھا۔ گویا بھارت دو طرف سے پاکستان کے نرغے میں تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء کے سانحہ کے بعد ہندو کی پوری ذہنیت تبدیل ہوئی ہے' اس سے پہلے اس پر ہمارا خوف طاری تھا' اُس وقت بھارت کا یہ جارحانہ انداز نہیں تھا۔ وہ وقت یاد کیجئے جب قائد ملت لیاقت علی خان نے ہندوستان کو مکہ دکھایا تھا اور پاکستان کے دوسرے یومِ استقلال پر چودہ مسلمان ملکوں کے فوجی دستے لا کر بندر روڈ کراچی پر پریڈ کروائی تھی کہ دنیا دیکھ لے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں اور ہمارا قدم پین اسلام ازم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ ہندو بنیا کانپتا تھا کہ ہندو تو صرف بھارت میں ہیں جبکہ ان پاکستانی مسلمانوں کا تو پوری مسلم دنیا کے ساتھ رابطہ ہے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ بری اور فضائی فوج میں بھارت ہم سے بہت آگے جا چکا ہے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی اور میزائل ٹیکنالوجی میں بھی وہ ہم سے بہت آگے ہے اور وہ اکثر چیزیں خود بنا رہا ہے۔ جہاں تک نیوی کا تعلق ہے وہ پورے بحرِ ہند پر اپنا تسلط بڑھا رہا ہے' جس کی وجہ سے آسٹریلیا بھی گھبرا رہا ہے اور ساؤتھ افریقہ بھی بھارت سے خوف زدہ ہے۔ جبکہ ہماری نیوی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے' کیونکہ ہمارے پاس وسائل ہی نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کہتے تو ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے' لیکن ہم اس شہ رگ سے بھارت کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹانے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بس واویلا اور چیخ و پکار کر سکتے ہیں' یا پھر یہ کہ امریکہ صلح کرا دے' فلاں بیچ میں آجائے' کچھ مذاکرات ہو جائیں اور بس۔

اس پس منظر میں دیکھئے' بھارت سے ایک بڑا آتشیں سورج طلوع ہو رہا ہے۔ یہ

ہندو بنیاد پرستی کا سورج ہے۔ جب بھارت میں موجودہ حکومت بنی تھی تو خیال تھا کہ اب گئی کہ اب گئی' لیکن یہ حکومت خاصی مستحکم ثابت ہوئی ہے۔ ایڈوانی وزیر داخلہ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ بی جے پی (BJP) اور اس کے اتحادی وشوا ہندو پریشد (VHP)' راشٹریہ سیوک سنگھ (RSS)' بال ٹھاکرے کی شیوسینا' سب کا پروگرام مبرہن (declared) ہے کہ "ہندوستان کی پوتر زمین کو مسلمانوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا" اور ہندوستان سے ان کی مراد صرف ہندوستان نہیں ہے پاکستان بھی اس میں شامل ہے۔ یاد رہے آر ایس ایس آج سے ستر سال قبل ہماری خاکسار تحریک کے ردعمل میں وجود میں آئی تھی۔ ہندو خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اب کیا ہو گا' مسلمان نے خاکی وردی پہن لی ہے اور بیلچہ لے کر سڑکوں پر پریڈ کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جگہ جگہ اکھاڑے بنائے اور گلیوں میں ورزشیں شروع کیں۔ آر ایس ایس کبھی براہ راست الیکشن میں نہیں آئی اور اب تک اپنے رضا کار تیار کرنے میں مصروف ہے۔ آج سے بیس سال پہلے اس کے رضا کاروں کی تعداد ۲۵ لاکھ تھی' آج معلوم نہیں کتنی ہو چکی ہو گی۔ ان کی تنظیم کا آپ اندازہ کیجئے کہ آر ایس ایس (RSS) کے تین لاکھ ورکر پورے ہندوستان کے کونے کونے سے چلے' ایودھیا گئے' بابری مسجد کو گرایا اور گھر واپس آ گئے۔ نہ جاتے ہوئے کوئی دنگا فساد کیا نہ واپس آتے ہوئے کوئی ہنگامہ۔ نہ جاتے ہوئے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا' نہ واپسی پر۔ پوری طرح پُرامن انداز سے جس طرح ایک منظم فوج مارچ کرتی ہے' ٹارگٹ پر گئے' ٹارگٹ پورا کیا اور واپس آ گئے۔ وہ تو بعد میں جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو پولیس نے مسلمانوں کو اپنی گولیوں سے بھونا ہے اور چھ ہزار مسلمانوں کو شہید کیا ہے۔

۱۰۔ خارجہ پالیسی میں تو ہم نے پہلے دن سے یہ طے کر لیا تھا کہ ہمارا ملجاو ماویٰ' ہمارا پشت پناہ اور حمایتی امریکہ ہے۔ نتیجتاً روس ہمارا دشمن بن گیا اور اس نے ہر اعتبار سے بھارت کو support کیا۔ جبکہ امریکہ نے ہر مشکل موڑ پر ہمیں دھوکا دیا' لیکن ہم اس سب کے باوجود اس کے گھڑے کی مچھلی بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں سورۃ المائدہ (آیت ۵۱) میں صراحت کے ساتھ یہ حکم موجود ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ "اے اہل ایمان ان

یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا دوست' اپنا حمایتی و پشت پناہ مت بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں"۔ جیسا کہ آج برطانیہ اور امریکہ وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ (WASP) کے نمائندے بن کر سامنے آئے ہیں۔ پہلے برطانیہ اس کا سربراہ تھا' آج امریکہ ہے۔ یہ دونوں اپنے عزائم کے اعتبار سے بالکل ننگے ہو کر سامنے آئے ہیں' ان کا صیہونیت (Zionism) سے گٹھ جوڑ ہے اور اِس وقت یہ دونوں اس گٹھ جوڑ میں بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں' نہ فرانس ساتھ دے رہا ہے نہ روس ساتھ دے رہا ہے۔ لیکن ہمارا حال ان آیات کے علی الرغم ہے' جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا : ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ ﴾ "تم دیکھتے ہو یا دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (یعنی نفاق کی بیماری) ہے کہ وہ انہی (کافروں) میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں" کہ آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں' آپ ہی یہ معاملہ طے کرائیں گے تو طے ہو گا۔ آپ ہی مسئلہ کشمیر کو حل کروائیں گے تو ہو گا۔ آپ ہی کے ذریعے سے ہماری معیشت میں بہتری ہو گی۔ آگے فرمانِ خداوندی ہے کہ وہ کہتے یہ ہیں کہ : ﴿ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَائِرَةٌ ﴾ "ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے"۔ ہم اس لئے ان میں گھستے ہیں کہ یہی ہمیں بچانے والے ہیں' یہی ہماری حفاظت کرنے والے ہیں۔

۱۱۔ انگریزی نظام کی محافظت : ہمارے ہاں ہر سطح پر انگریز کا نظام آج بھی برقرار ہے۔ انگریز کے نظام سے اثر انگیزی کا تو یہ عالم ہے کہ ہم صوبوں کی حدود تبدیل کرنے سے بھی ڈرتے ہیں جو انگریز قائم کر گیا تھا۔ ہم نے ضلعے نئے بنا لئے' کمشنریاں نئی بنا لیں' لیکن صوبوں کی تقسیم کو ہم نے مقدس گائے کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ انگریزی دور کے آزاد قبائل آج بھی آزاد قبائل ہیں' ان کا سٹیٹس تبدیل کرنے کی آج تک کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ گویا آزاد تو وہی ہیں' باقی ساری پاکستانی قوم محکوم ہے! مطلب یہ کہ ہم نے اس نظام کی کسی شے کے اندر کوئی تبدیلی لانے کی کوئی کوشش نہیں کی جو انگریز چھوڑ گیا تھا۔

گھٹاٹوپ اندھیرے میں اُمید کی کرن

مذکورہ بالا بداعمالیوں کے باعث ۱۹۹۶ء کے اواخر میں واقعتاً ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ہم تباہی کے آخری کنارے تک پہنچ گئے ہیں' لیکن اچانک ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا آیا کہ فروری ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ زندہ ہو گئی' غیر متوقع طور پر مسلم لیگ کو بھاری مینڈیٹ مل گیا۔ اُس وقت میں نے اپنی جمعہ کی ایک تقریر میں "الحمدللہ" کا عنوان قائم کر کے چھ باتوں پر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ پہلی یہ کہ پانچ نومبر کے صدارتی اقدام سے (جس سے کہ اسمبلیاں ٹوٹی تھیں) الیکشن کے ہو جانے تک ہماری گاڑی بالکل دستور کی پٹڑی پر چلی تھی' ہر چیز دستور کے مطابق اور صحیح ٹائم ٹیبل کے مطابق ہوئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ انتخابی مہم پر بھی کچھ پابندیاں لگائی گئیں تھیں۔ خرچہ اور شور ہنگامہ بھی کم ہوا۔ تیسرے یہ کہ انتخابات شفاف ہوئے تھے۔ اگرچہ Pre-election engineering ہوئی تھی' جیسا کہ بے نظیر نے الزام لگایا تھا' لیکن وہ بھی نہیں کہہ سکی کہ الیکشن کے موقع پر کوئی دھاندلی ہوئی ہے۔ چوتھے یہ کہ ٹرن آؤٹ (Turn out) بھی اچھا بھلا تھا' کوئی زیادہ برا نہیں تھا۔ پانچویں یہ کہ اس موقع پر بے نظیر اور قاضی حسین احمد صاحب دونوں کا رویہ معتدل تھا۔ دونوں نے کہا تھا کہ ہم حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے اور ان کو کام کرنے کا موقع دیں گے۔ فوری طور پر کوئی تحریک چلانے کا کوئی اعلان سامنے نہیں آیا تھا۔ چھٹی اور سب سے بڑی بات یہ کہ مسلم لیگ کا احیاء ہوا تھا اور مسلم لیگ کو بھاری مینڈیٹ ملا تھا' جس کے تین نتیجے نکلتے تھے۔ داخلی طور پر ممبرانِ اسمبلی کی بلیک میلنگ سے جان چھوٹ جائے گی۔ ترقیاتی کام بھی پورے جماؤ کے ساتھ ہو سکیں گے اور ملک کی صورت حال بدلے گی۔ جبکہ خارجی طور پر ہم باہر کی طاقتوں سے اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بات کر سکیں گے۔

البتہ میں نے دوسرا عنوان "العیاذ باللہ" کا بھی قائم کیا تھا۔ اس لئے کہ اس میں ہمارے لئے دینی اعتبار سے ایک بات بڑی قابل تشویش تھی کہ اس مسلم لیگ اور اس کے قائد نواز شریف نے پوری انتخابی مہم میں کہیں دین کا نام نہیں لیا تھا' جس پر پورے

بھارت میں بڑی خوشیاں منائی گئیں کہ پاکستان میں مسلم بنیاد پرستی کی موت واقع ہو گئی ہے۔ اتنا بڑا مینڈیٹ اُس جماعت کو ملا ہے جس نے اسلام کا نام ہی نہیں لیا اور اسی کے پس منظر میں یہ بھی کہ نواز شریف صاحب نے مغربی طاقتوں کو اطمینان دلایا تھا کہ میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔ ان کے چھوٹے بھائی شہباز شریف صاحب نے مین ہیٹن میونسپل ہال میں باقاعدہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں ہمیں برسراقتدار نہ آنے دیا گیا تو وہاں بنیاد پرستوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ گویا کہ اگر ان کا راستہ روکنا ہے تو ہمیں سپورٹ کرو۔ چنانچہ یہ دو منفی نکات بھی میری اس تقریر میں ریکارڈ پر ہیں۔ تاہم ہم نے مسلم لیگ کی قیادت سے نیک گمان رکھتے ہوئے انہیں چند مشورے دیئے تھے۔ اور دستور کی منافقت دور کرنے کے لئے چند دستوری ترامیم تجویز کی تھیں۔

(۱) دستور کی منافقت کو ختم کیا جائے۔ دستور میں قرارداد مقاصد کے بارے میں طے کر دیا جائے کہ یہ پورے دستور پر حاوی ہے۔

(۲) دفعہ ۲۲۷ کو لا کر قراردادِ مقاصد کے ساتھ ۲ ب کی حیثیت سے شامل کیا جائے جس میں درج ہے کہ ملک میں کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی۔

(۳) اسلامی نظریاتی کونسل ختم کر دی جائے' کیونکہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۴) شریعت کورٹ کے حدودِ کار پر جو پابندیاں عائد ہیں انہیں ہٹایا جائے۔ کیونکہ شریعت کی بالادستی تو مکمل ہونی چاہئے۔

(۵) شریعت کورٹ کے ججوں کا معیارِ ملازمت ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے مساوی کیا جائے۔

یہ ہمارا ایک پیکج تھا' اس کے لئے ہم نے منتیں کیں' خطوط کی مہم چلائی' عوام سے تار دلوائے' جلسے کئے' جلوس نکالے۔ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شاید اب اس مسلم لیگ سے' جو ۴۷-۱۹۴۶ء کے بعد ایک بار پھر ۱۹۹۷ء میں زندہ ہوئی ہے' قیامِ پاکستان کے مقاصد کے حوالے سے کوئی کام لینا چاہتا ہے اور شاید قیامِ پاکستان کی طرح اس میں بھی پاکستان کے کچھ سنورنے کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے'

لیکن یہ بتانا تو ہو گا کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ دوسرا مطالبہ ہم نے کیا کہ سود کا انسداد کیا جائے' اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ فوراً بند کی جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف جو اپیل دائر ہے اسے فوری واپس لیا جائے یا پھر سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بنچ بنا کر سماعت کروائی جائے' تاکہ یہ مسئلہ یونہی کولڈ سٹوریج میں نہ پڑا رہے۔ مزید یہ کہ اندرونِ ملک سود فوراً ختم کیا جائے۔ جب ہم اندرونی طور پر سود کو ختم کرلیں گے تو پھر بیرونی قرضوں کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ہم عالمی مالیاتی اداروں سے لئے گئے قرضوں پر بھی سود نہیں دیں گے' البتہ وہ اصل رقم ہمارے ملک میں انویسٹ (Invest) کرلیں۔ اس مقصد کے لئے ہم انہیں ان کی رقم اپنی کرنسی میں دے دیں گے اور وہ اس کا نفع ملک سے باہر اپنی کرنسی میں لے جاسکیں گے۔ ایسا ایک تجربہ لاطینی امریکہ میں ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ جاگیرداری اور زمینداری کے بارے میں میں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ایک اعلیٰ سطحی لینڈ کمیشن بنایا جائے جو یہ طے کرے کہ آیا پاکستان کی اراضی خراجی ہے یا عشری۔ اگر خراجی ہے تو بالکل ایک نیا بندوبست اراضی کیا جائے اور زمینداروں سے زمینیں لے کر تمام کاشتکاروں میں برابر تقسیم کردی جائیں۔ فرض کیجئے یہ زمینیں عشری ہیں (اگرچہ میرے نزدیک خراجی ہیں) تو پھر مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے علماء کا بورڈ بٹھایا جائے۔ ویسے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت حرامِ مطلق ہے۔ اسلام میں زمین کا مالک خود اپنی زمین کاشت کرتا ہے' مزارع نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ایک فرد اپنی زمین کی خود کاشت (self cultivation) کرتے ہوئے تنخواہ پر ملازم رکھ سکتا ہے۔ اس ملازمت کے قوانین بنائے جاسکتے ہیں' کیونکہ ملازمت کی شرائط اور قواعد (Service Structure) مقرر ہوتی ہیں۔ ان کے لئے پنشن کا بھی معاملہ ہو گا اور انہیں دیگر سہولیات (Benefits) بھی حاصل ہوں گی۔

مزید برآں ہم نے حکومت کو بیرونی معاملات میں چند سفارشات اور دی تھیں کہ سب سے پہلے طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ ہمارے ہاں طے ہو گیا ہے۔ دوسرے ایران اور طالبان کے تعلقات کو درست کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ تیسرے یہ کہ کشمیر کے مسئلے میں ایران اور چین کی ثالثی تسلیم کی جائے

اور ان کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرانے کی کوشش کی جائے۔ چوتھے' چین کے معاملے میں احتیاط برتی جائے کیونکہ سنکیانگ میں کچھ بنیاد پرست مسلمانوں کا حکومت کے ساتھ تصادم ہو رہا تھا اور میں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ امریکہ اس آڑ میں چاہتا ہے کہ چائنا کو مسلمانوں کے خلاف کر دے۔ ہماری یہ ساری سفارشات اور سارے مشورے "اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ" کے مصداق تھے' کیونکہ دین نام ہے نصیحت کا' خیر خواہی کا' اور اسی حوالے سے میں نے مسلم لیگ کے برسرِاقتدار آنے کے بعد اپنی تقریروں میں مذکورہ بالا آراء تفصیلاً گوش گزار کی تھیں۔ ظاہر بات ہے نہ میں معروف معنوں میں کوئی سیاسی لیڈر ہوں نہ مجھے ان کے خلاف مہم چلانی تھی' یہ سب صرف اس امید میں کہا گیا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور یہ حکومت اس ملک کی بگڑی ہوئی تقدیر کو سنوارنے کا ذریعہ بن جائے۔

ابتدا میں مسلم لیگ کی حکومت سے میرے حسن ظن کی وجہ ایک یہ بات بھی بنی کہ میری مذکورہ بالا تقریر میاں شریف صاحب اور ان کے تینوں بیٹوں (نواز شریف' عباس شریف' شہباز شریف) کے میرے ہاں دو مرتبہ آنے کا ذریعہ بن گئی۔ فروری ۹۷ء کے انتخابات سے کوئی سال سوا سال پہلے حرمِ مکی میں میاں شریف صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں ویل چیئر پر تھا' وہ اُٹھ کر آئے اور کہا "کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب آپ ویل چیئر پر ہیں؟" میں نے بتایا کہ میرے گھٹنوں میں تکلیف ہے۔ اس پر انہوں نے کہا "اللہ آپ کو شفا دے' میں آپ سے لاہور میں ملاقات کروں گا"۔ میں نے پوچھا "آپ ہیں کون؟ میں آپ کو پہچانتا نہیں"۔ انہوں نے کہا "میں میاں محمد شریف ہوں"۔ یہ دسمبر ۱۹۹۵ء کا معاملہ ہے' اس سے پہلے میری ان سے نہ بالمشافہ کوئی ملاقات رہی تھی نہ سرے سے کوئی آنا جانا تھا۔ اب جب یہ الیکشن ہوا اور میں نے مذکورہ بالا سفارشات پر مبنی تقاریر کیں تو ایک رات لیٹے ہوئے اچانک خیال آیا کہ میں میاں محمد شریف صاحب کو اپنی ان تقریروں کے کیسٹ بھیج دوں۔ چنانچہ میں نے اگلے دن کیسٹ کے ساتھ ایک خط بھی لکھ دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ آپ آئیں گے' آپ تو نہیں آئے' لیکن میں بھی اس لئے نہیں آیا کہ میرے نزدیک سرمایہ داروں کے دروازوں پر دین کے خادموں کا حاضر ہونا اچھی بات نہیں۔ اب جبکہ یہ معاملہ ہوا ہے کہ اللہ نے آپ کے بیٹوں کو موجودہ حکومت کی

ورت میں ایک غیر متوقع کامیابی دے دی ہے تو میں اپنے ۱۴ فروری کے خطاب جمعہ کا
یسٹ "اَلدِّیْنُ النَّصِیحَۃ" کا حق ادا کرنے کے لئے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ نواز شریف
ر شہباز شریف کو تو مبارک بادیں وصول کرنے سے ہی فرصت نہیں ہو گی' وہ میری
ریر کیا سنیں گے' آپ سن لیں۔ اگر مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہوئی اور آپ مجھے
ئیں گے تو میں سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا' آپ خود آئیں گے تو یہ میرے لئے باعث
زاز ہو گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میاں صاحب تیسرے ہی دن (۲۳ فروری ۹۷ء کو)
رے غریب خانے پر اپنے تینوں بیٹوں سمیت تشریف لے آئے۔ میری ان سے دوسری
اقات ۱۹ مئی ۹۷ء کو ہوئی جس میں کسی قدر قول و قرار بھی ہوئے۔ شہباز شریف نے کہا
کہ ہم ایک سال کے اندر اندر سود ختم کر دیں گے' جس پر میاں شریف صاحب نے کہا کہ
یں چھ مہینے کے اندر اندر ختم کرو۔ میں سمجھا شاید اللہ کی طرف سے اس ملک پر بہت بڑی
کرم ہو گئی ہے۔ یوں لگتا تھا کہ واقعتاً اس ملک کی قسمت بدلنے جا رہی ہے اور پاکستان
ا قافلہ جو بھٹک گیا تھا وہ شاید پھر سوئے حرم چل نکلا ہے۔ ع "بھٹکے ہوئے آہو کو پھر
وئے حرم لے چل!" بہرحال میں اسی گمان کو لئے ہوئے تنظیم اسلامی کا ایک وفد لے کر
ن سے ۲۴/ مئی کو خود وزیر اعظم ہاؤس میں ملا۔ جہاں نواز شریف صاحب نے دوبار
اجہ ظفر الحق صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ "راجہ صاحب نفاذِ شریعت بل لانے کی
ری کیجئے"۔ یہ تھے وہ حالات جن کے باعث امیدوں کا ایک سراب نگاہوں کے سامنے
لیا تھا۔ اب اس سراب کی حقیقت واضح ہو چکی ہے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

از شریف حکومت کے دو سال

اس مایوسی کی وجوہات بھی جان لیجئے۔ دراصل رمضان ۹۷ء سے لے کر رمضان
ء تک کے دو سال کے درمیان حکومت نے جو کچھ کیا وہ مجھ سے کئے گئے تمام وعدوں
بالکل برعکس تھا۔ اس اثناء میں جو کچھ ہوا گنتی کیجئے۔ اولاً نواز شریف صاحب نے اپنی
یشن مستحکم کرنے کے لئے ۴/ اپریل ۱۹۹۷ء کو تیرھویں ترمیم منظور کرائی جس کے

ذریعے نہ صرف صدر کے اختیارات ختم کر دیئے گئے' بلکہ صدارت کے لئے ایک آزمودہ' مخلص' بلکہ خدمت گار شخص سامنے لایا گیا جس کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں۔ اور خطرناک ترین بات یہ ہے کہ صدر کے صوبہ پنجاب سے تعلق ہونے کی وجہ سے صوبوں کے اندر احساس محرومی پیدا ہوا' کیونکہ وزیراعظم بھی پنجاب کا' آرمی چیف بھی پنجاب کا اور اب صدر کا تعلق بھی پنجاب سے ہے' جو وفاقی پارلیمانی طرز حکومت میں مناسب نہیں۔ جولائی ۹۷ء میں چودھویں ترمیم کے نتیجے میں ممبرانِ اسمبلی کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی ؏ "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے"۔ خدا خدا کر کے نفاذِ شریعت کے نام پر پندرھویں ترمیم آئی۔ لیکن اس کا مقصد بھی سول آمریت قائم کرنا اور اپنے اختیارات میں اضافہ کرنا تھا کہ وفاقی حکومت جو چاہے اقدام کرے' کوئی عدالت کچھ نہیں کر سکتی' پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں' حتیٰ کہ دستور میں بھی سادہ اکثریت سے ترمیم کی جا سکے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ؏ "آئیں وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں!" اگرچہ اب اس میں کچھ ترمیم کی گئی ہے لیکن اب بھی اس میں آمریت کے جراثیم موجود ہیں۔ اور اب جو کچھ ہو رہا ہے' پاکستان کی قانون سازی اور دستور سازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں قانون سازی کی جو تیاریاں ہو رہی ہیں' ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اگرچہ دستور میں اجازت (Provision) ہے' لیکن موجودہ سیٹ اپ میں یہ کسی صورت بھی مناسب نہیں جبکہ پنجاب کو ہر لحاظ سے برتری حاصل ہے۔ اس مشترکہ اجلاس میں یہ مضرت مضمر ہے کہ سینٹ کو تو چھوٹے صوبوں کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر صوبے کے ارکان برابر ہوتے ہیں اور وہ گویا ان کے مفادات اور نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی کرتے ہیں' جبکہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں تو سینٹ کے ارکان کی تعداد بہت کم ہوگی' جس کا مطلب یہ ہے کہ اسمبلی ہی کی بھاری اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو جائے گی۔ نتیجتاً سینٹ بائی پاس ہو جائے گا اور اس سے چھوٹے صوبوں میں ایک محرومی کی کیفیت پیدا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریق کار پر آج تک عمل نہیں ہوا۔ پھر یہ کہ دستور میں جو provision موجود ہے وہ قانون سازی کے لئے ہے نہ کہ دستور میں ترمیم کے لئے۔ لیکن محسوس یہ ہو رہا ہے کہ مشترکہ پارلیمنٹ سے قانون

سازی کر کے پہلے ایک راستہ کھولا جا رہا ہے تاکہ اگلے مرحلے میں اسی طرح پندرہویں ترمیم کو بھی تیزی سے گزار کر منظور کرا لیا جائے۔ یہ قدم دوسرے صوبوں میں احساس محرومی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ میرے نزدیک ملک کو پنجابی فاشزم کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے، جس کا ردِ عمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔

آج (۱۵ جنوری ۹۹ء) کے نوائے وقت کے ادارتی مقالے میں بھی اس طرزِ عمل کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ نوائے وقت اگرچہ مسلم لیگ کا حامی اور موجودہ حکومت کا مؤید اخبار ہے، لیکن اس نے لکھا ہے کہ اس سے دوسرے صوبوں میں پنجاب کے خلاف نفرت کے جذبات پروان چڑھیں گے اور اس طرح علیحدگی کی تحریکوں کو تقویت حاصل ہو گی۔

اس سے بھی بڑھ کر جو معاملہ ہوا ہے وہ یہ کہ سود کے ضمن میں راجہ ظفر الحق کمیٹی کی رپورٹ دبا لی گئی ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے سود کے حرام ہونے کے بارے میں دیئے گئے فیصلے پر پہلے تو سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی تھی۔ اب یہ چال چلی گئی ہے کہ اپنی اپیل واپس لے کر شریعت کورٹ کو نظر ثانی (review) کے لئے کہا جا رہا ہے کہ آپ ہمیں سود کا متبادل نظام تجویز کر کے دیں، حالانکہ یہ عدالت کا کام نہیں ہے، متبادل تو حکومت کو تجویز کرنا تھا۔ یہ سب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، کیونکہ راجہ ظفر الحق کی سربراہی میں ایک کمیٹی مفصل سفارشات حکومت کو دے چکی ہے۔ حکومت ان سفارشات پر عمل تو درکنار اسے شائع کرنے سے بھی خوف زدہ ہے کہ کہیں ان سفارشات کی روشنی میں سود ختم نہ کرنا پڑ جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب کی سربراہی میں سود کے خلاف جو تاریخی فیصلہ دیا تھا وہ اس قدر مدلل تھا کہ پوری دنیا میں اس کی تعریف کی گئی۔ یہ ایک انتہائی اہم دستاویز ہے جس میں متبادل صورتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے لیکن یہ دستاویز اب کتابی صورت میں دستیاب نہیں ہے۔ یہ عمل حکومت کی بددیانتی کا مظہر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ہمارے ہاں پہلے سے امریکہ کی خوشامد کا ایک نقطۂ نظر چلا آ رہا ہے لیکن اب یہ کہیں زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔ موجودہ حکومت نے امریکہ کی خوشامد کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی ٹی پر

دستخطوں کے لئے فضا ہموار کی جا چکی ہے اور اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر عطا کردہ جو ایٹمی صلاحیت ہمارے پاس ہے ہم اللہ کے واضح حکم ﴿ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ کے باوجود اس سے مستعفی ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ایف سولہ طیاروں کی بچی کچھی رقم لانے کی کامیابی بھی کوئی بڑی کامیابی نہیں ہے' کیونکہ یہ قدم کلنٹن انتظامیہ نے پاکستان کے عالمی عدالت میں جانے کے خوف سے اُٹھایا ہے۔ اگر پاکستان عالمی عدالت میں چلا جاتا تو کہیں بہتر نتیجہ نکلتا اور امریکی حکومت بدنام ہوتی۔ ظلم کی حد تو یہ ہے کہ ایف ۱۶ جو کہ ہمیں دیئے ہی نہیں گئے ان کے سروس چارجز اور گندم کے نام پر رقم کا ایک بڑا حصہ تو ویسے ہی روک لیا گیا ہے۔ اس کو سمجھا جا رہا ہے کہ بہت بڑا تیر مار لیا اور بڑی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

ان حالات میں یہ بات مبرہن ہو چکی ہے کہ موجودہ لیگی قیادت یعنی نواز شریف اینڈ کمپنی پر مشتمل حکومتی ٹولے کا اسلام کی جانب کسی پیش رفت کا کوئی ارادہ نہیں' انہیں صرف اسلام کے سزاؤں والے پہلو سے دلچسپی ہے اور اس میں وہ کسی حد تک مخلص ہیں۔ لیکن اسلام صرف سزاؤں کا نام ہی تو نہیں ہے۔ اور جو فیصلے فوجی عدالتوں کے ہوتے ہیں ان میں عدل کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ یاد کیجئے ۱۹۵۳ء میں ایک فوجی عدالت نے مولانا مودودی مرحوم اور عبدالستار نیازی صاحب کو پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ فوجی عدالتیں' عدالتیں نہیں ہیں' وہاں پر عدالتی اصول نہیں ہوتے۔ عدالتی نظام کے اصول حضور ﷺ کے دیئے ہوئے ہیں۔ یہ تو آپ نے مغرب سے لے کر اس میں گندگیاں شامل کر رکھی ہیں' ورنہ جو اصل الاصول ہیں وہ حضورؐ نے دیئے ہیں۔ مثلاً "سو مجرم چھوٹ جائیں کوئی پروا نہیں' ایک بے گناہ کو سزا نہیں ہونی چاہئے"۔ یہ فرمانِ محمدیؐ ہے کہ "شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا"۔ یہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ "یک طرفہ بات سن کر فیصلہ نہیں دیا جائے گا جب تک کہ فریق ثانی کو بھی موقع نہ دے دیا جائے" اور یہ کہ "حلف صرف مدعا علیہ کی طرف سے مؤثر ہو سکتا ہے' مدعی کو ثبوت پیش کرنا ہو گا"۔ اصول تو وہاں سے ملے ہیں' البتہ اس میں گندگیاں شامل ہو گئی ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے قانونِ شہادت اسلام کا نہیں رکھا ہوا۔ آپ کے ہاں پولیس کے ٹاؤٹس ہیں' آپ کے ہاں

پیشہ ور گواہ موجود ہوتے ہیں کہ چند پیسے دو جو چاہے گواہی دلوا لو۔ اس چیز کا قلع قمع ضروری ہے۔ باقی عدلیہ کے اصول تو سب کے سب محمد رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے ہیں۔ کوئی چاہے تو ان اصولوں کی روشنی میں اب بھی امن و امان اور انصاف قائم کر سکتا ہے۔

موجودہ حکومت کی دوسری بات یہ سامنے آئی ہے کہ ان کا نیو ورلڈ' آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور امریکہ کے چنگل سے نہ صرف یہ کہ نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں' بلکہ ان کی کامل فرمانبرداری اور سعادت مندی والا معاملہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ گویا ؂

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ میرے فرش پر نہ رینگ

وہ چاہے ہمیں ٹھوکریں ماریں لیکن ہمیں ﴿ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ کے مصداق جانا ادھر ہی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کے بل پر وہ پاکستان میں ایک پارٹی کی عوامی آمریت یعنی فاشسٹ نظام قائم کرنے کے خواہش مند ہیں' تاکہ سب اختیار ان کے پاس ہوں' نہ عدلیہ کچھ کر سکے نہ پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت ہو' نہ صدر کچھ کر سکے۔ حالانکہ اس چیز کا ردعمل نہایت شدید ہو سکتا ہے اور یہ طرزِ عمل پاکستان کے لئے نہایت مہلک اور سم قاتل ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان باتوں سے میں جو نتیجہ نکال رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کہیں "عذابِ اکبر" کا حقیقی خطرہ ہمارے سروں پر نہ منڈلا رہا ہو۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب آیا کرتا ہے' جیسا کہ سورۃ السجدہ میں بیان ہوا ہے : ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ "اور ہم انہیں بڑا عذاب دینے سے پہلے لازماً چھوٹا عذاب چکھائیں گے کہ یہ لوگ (شاید جاگ جائیں' ہوش میں آ جائیں) شاید کہ رجوع کر لیں"۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا چھوٹا عذاب تھا۔ پاکستان ختم تو نہیں ہوا تھا۔ لیکن جو شکست ہوئی' کلنک کا جو ٹیکہ لگا وہ ایک عذاب سے کم نہیں' اسے عذابِ اصغر یا عذابِ ادنیٰ کہا جا سکتا ہے۔ عذابِ ادنیٰ والی یہ قسط ٹھیک قیام پاکستان کے ۲۵ برس بعد آئی تھی' اب مزید ۲۸ برس گزر گئے ہیں۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں کہا گیا : ﴿ وَاِنْ

اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴾ "تمہیں معلوم نہیں' ہو سکتا ہے یہ تمہارے لئے ایک نئی آزمائش ہو اور تمہیں مہلت دے دی جائے ایک خاص معین وقت تک کے لئے" کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں جو مہلت دی گئی تھی وہ اب ختم ہو رہی ہو۔ چنانچہ "عذابِ اکبر" کی صورت میں شدید اندیشہ ہے کہ شاید دنیا کے نقشے پر پاکستان کا وجود بھی باقی نہ رہے۔ جیسے اس صدی کے شروع میں سلطنت عثمانیہ کے نام سے عظیم سلطنت تھی جو نسیاً منسیا ہو گئی۔ اور یہ تو ابھی کی بات ہے جب امریکہ کی مدمقابل سپرپاور یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ریپبلکس (U.S.S.R) ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اب تو دنیا میں کتابیں چھپ رہی ہیں۔ ایک کتاب امریکہ میں چھپی ہے جس کا لکھنے والا ابوالمعالی سید پاکستانی ہے۔ وہ بہار کا پیدائشی ہے اور ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے پیشین گوئی کی ہے کہ ۲۰۰۶ء میں پاکستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے' سندھو دیش علیحدہ ہو گا اور اس علاقے کی سب سے جدید' ترقی یافتہ ریاست بلوچستان ہو گی۔ صرف پنجاب سنٹرل پاکستان ہو گا۔ اور شاید یہاں پاکستان کا نام بچ جائے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اندرونی طور پر موجودہ حکومت کا فاشسٹ ڈکٹیٹرانہ رجحان ہے' یہ اس کے لئے فضا ہموار کر رہی ہے' جبکہ بیرونی طور پر ہندو فنڈامنٹلزم کا عفریت زور شور کے ساتھ چنگھاڑتا ہوا اٹھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہودی بھی زور و شور سے اٹھ رہے ہیں۔ وہ اپنی منصوبہ بندی کے مطابق عرب آبادیوں سے عرب مکانات گرا رہے ہیں۔ ان کا اگلا قدم یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر شروع کی جائے۔ اس وقت جو ہنگامہ برپا ہو گا وہ ہو سکتا ہے احادیث صحیحہ کے مطابق "الملحمة العظمٰی" کا پیش خیمہ بن جائے۔

انجامِ بد سے نجات کا راستہ

اب ان حالات میں خیر کی توقع کیا ہے؟ یہ میری گفتگو کا آخری حصہ ہے۔ ہمیں حکم ہے ﴿ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان

ہیں۔ وہ چاہے پلک جھپکنے میں لوگوں کے دل بدل دے' لیکن اس کے لئے ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔

i) حکومتی سطح پر توبہ اور اس کے تقاضے

اس متوقع عذابِ الٰہی سے بچنے کی ایک راہ یہ ہے کہ "نواز اینڈ کو" پر مشتمل موجودہ حکومتی ٹولہ اِس وقت جہاں ہے وہیں سے اباؤٹ ٹرن (About turn) کرے' جس کیلئے دینی اصطلاح "توبہ" ہے۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا' لوٹنا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ﴾۔ اس توبہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیا جائے۔ ﴿ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ﴾ "پھر جو کوئی کفر کرے طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر پس وہ چمٹ گیا مضبوط کنڈے سے"۔ یعنی اسے انتہائی مضبوط سہارا حاصل ہو گیا۔ کفر بالطاغوت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور امریکہ کے چنگل سے ایک ہی جست میں نکلا جائے۔ ؏ "ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں"۔ انہیں دو ٹوک انداز میں کہہ دیا جائے کہ ہم تمہیں قرضہ کی رقم واپس نہیں دے سکتے۔ البتہ آیئے اسے ہمارے ہاں invest کر لیجئے' جیسا کہ لاطینی امریکہ نے کیا۔ اس طرح ہم بھی آپ کو آپ کی اصل رقم دیں گے' اس پر سود نہیں دیں گے۔

کفر بالطاغوت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اعلان کر دیا جائے کہ ہم سی ٹی بی ٹی' ایف یم سی ٹی اور این پی ٹی پر دستخط نہیں کریں گے' کیونکہ یہ ایٹمی صلاحیت ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی طاقت ہے جسے ہم نے بڑھانا ہے۔ لیکن جان لیجئے کہ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ جب ہم سود کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جاری جنگ بند کر کے اس کی طرف رجوع کریں گے۔ ارشادِ باری ہے :

﴿ اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ' وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ ﴾

"(مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور اگر اللہ

تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟"

تیسرا تقاضا یہ ہے کہ حکومت پندرھویں ترمیم واپس لے اور جس نہج پر ہم نے دستوری ترامیم تجویز کی تھیں ان کے مطابق پاکستان کو مکمل اسلامی ریاست بنانے کی غرض سے پارلیمنٹ میں نیا بل پیش کرے۔ موجودہ حکومت کو اب تک اس بات کا اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں' میں نے ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی' میں کبھی ان کے پاس نہیں گیا۔ ایک مرتبہ ان کے سابقہ دورِ حکومت میں اچانک معلوم ہوا کہ پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف صاحب میرے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے کہا اہلاً و سہلاً مرحبا۔ وہ آئے' کچھ دیر بیٹھے رہے اور چلے گئے۔ وہ تو شاید اس اُمید میں آئے ہونگے کہ میں بھی کہوں کہ میرا فلاں پراجیکٹ تکمیل طلب ہے' اس کے لئے پیسے چاہئیں۔ لیکن اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تو ضیاء الحق سے اتنے قریب ہونے کے باوجود ان سے اپنے کسی پراجیکٹ کے لئے ایک پیسہ تک نہیں لیا۔ اسی وجہ سے ہم نے کبھی ان کو اپنی کسی تقریب میں بھی نہیں بلایا' کیونکہ میں اقتدار کی گلیوں (corridors of powers) کا آدمی ہی نہیں' اربابِ اقتدار سے میری دوستیاں نہیں' میں ان کے ولیموں میں نہیں جاتا' ان کو اپنے ہاں نہیں بلاتا۔ یہ قوم ہی اور ہے' ان کی نوع اور ہے' ان کی سطح اور ہے' ان کی معاشرت اور معیشت اور ہے۔

کفر بالطاغوت کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ اندرون ملک سود فوراً ختم کیا جائے اور ایک شرعی لینڈ کمیشن قائم کیا جائے جو یہ طے کرے کہ یہاں کی زمینیں خراجی ہیں یا عشری ہیں۔ اور اگر عشری اور ملکیتی ہیں تو مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے جید علماء کا بورڈ بٹھایا جائے۔ نیز الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو فحاشی سے پاک کرکے اسے بھی مسلمان بنایا جائے۔

ii) "پاکستان اسلامی اتحاد" کا قیام

اگر نواز شریف حکومت توبہ کا راستہ اختیار نہیں کرتی اور اپنی روش برقرار رکھتی ہے تو عذابِ الٰہی سے بچنے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس ملک کی دینی اور مذہبی جماعتیں

خالص دینی بنیاد پر ایک "پاکستان اسلامی اتحاد" قائم کریں۔ لیکن اس اتحاد کا پاور پالیٹکس سے کوئی تعلق نہ ہو۔ نہ ہی یہ کسی کا حلیف ہو نہ کسی کا حریف ہو۔ اسے "گاؤ آمد و خر رفت" یا" خر رفت و گاؤ آمد" سے کوئی غرض نہ ہو۔ یہ اتحاد خالص مذہبی ہو اور اس میں کسی سیکولر جماعت کو شامل نہ کیا جائے۔ اس اتحاد کا مقصد کسی کو ہٹاؤ اور کسی کو لاؤ نہیں بلکہ "اسلام لاؤ اور ملک بچاؤ" ہو۔ اور یہ ایک پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کرے کہ فلاں حرام شے کو ختم کرو' یا شریعت میں فلاں چیز واجب ہے اس پر عمل کرو۔ اس کا ڈھانچہ "پاکستان قومی اتحاد" (PNA) کا سا ہو' جس میں تمام فیصلے اتفاق رائے (consensus) سے ہوں۔ اس میں کوئی نئی پارٹی شامل ہونا چاہے تو جب تک تمام پارٹیاں اس کی اجازت نہ دیں اسے شامل نہ کیا جائے۔ اسی طرح صدارت بھی بدل بدل کر(by rotation) تمام جماعتوں کو دی جاتی رہے۔

اس کام کے لئے میں خود مذہبی رہنماؤں کے پاس جاؤں گا اور تنظیم اسلامی اس میں صرف خدمت گاروں کی حیثیت سے شریک ہو گی' کوئی عہدہ قبول نہیں کرے گی' تاکہ یہ شک ختم ہو جائے کہ شاید یہ اپنا قد بڑھانے کے لئے یا اپنی کوئی حیثیت بنانے کے لئے آگے آ رہے ہیں۔ اور یہ اتحاد جب تک اس رُخ پر چلتا رہے گا اُس وقت تک ہم خادم کی حیثیت سے ساتھ رہیں گے۔ البتہ اگر اس کا رُخ بدلا گیا تو ہم الگ ہو جائیں گے۔

iii) ہمارا چار نکاتی لائحۂ عمل

اگر خدا نہ کرے' یہ کوشش بھی ناکام ہو جاتی ہے تو عذاب سے بچنے کا تیسرا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے جس مستقل پروگرام پر عمل پیرا ہیں اس پر قائم و دائم رہیں گے۔ وہ پروگرام یہ ہے :

۱۔ قرآن کے درس و تدریس' تعلیم و تعلم اور تشہیر و اشاعت کے ذریعے لوگوں کو تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد کی طرف راغب کرنا۔

۲۔ اس دعوت کے نتیجے میں جو لوگ اسلامی انقلاب' غلبۂ دین یا اقامت دین کی جدوجہد کیلئے کمر کس لیں گے اب ان کی تنظیم اور تعلیم کا اہتمام کرنا۔ اس مرحلے میں بھی

کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعے ہی ان کو منظم کیا جائے گا اور ان کی تربیت کی جائے گی۔

۳۔ جب تک تعداد اتنی نہیں ہو جاتی کہ نظامِ باطل کو کھلا چیلنج کیا جا سکے اُس وقت تک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ کے مطابق تین کام کئے جاتے رہیں گے : ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ یعنی "تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے (جو تین کام کرے) خیر کی دعوت دے' نیکی کا حکم کرے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں"۔ اس مرحلے میں یہ تینوں کام زبان کے ذریعے سے ہوں گے۔ واضح رہے کہ موجودہ دور میں آڈیو ویڈیو کیسٹ' پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات اور رسائل اور دیگر جدید ذرائع کے ذریعے برائی کے خلاف آواز اٹھانا اور رائے عامہ ہموار کرنا بھی "نہی عن المنکر باللسان" ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۴۔ جب معتدبہ طاقت جمع ہو جائے اور ہم اس پوزیشن میں ہوں کہ طاغوت کو کھلا چیلنج کر سکیں تو "نہی عن المنکر بالید" کیا جائے گا' جسے غیر مسلح بغاوت کہا جا سکتا ہے کہ ہم اب یہ کام نہیں ہونے دیں گے۔ ہم گھیراؤ کریں گے' لیکن کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ اس مرحلے پر اپنی جانیں داؤ پر لگا دیں گے کہ چلاؤ ہم پر گولیاں' لیکن ہم اب یہ منکرات نہیں چلنے دیں گے۔ جیسے اہل تشیع نے ضیاء الحق صاحب کے زمانہ میں یہ کر کے دکھایا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو زکوٰۃ آرڈیننس سے مستثنیٰ کرانے کے لئے پچاس ہزار آدمی لے جا کر سول سیکرٹیریٹ کا گھیراؤ کر لیا تھا کہ ہم اُس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہمیں یہ یقین نہ دلا دیا جائے کہ ہمیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ (exempt) کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ دَور تھا جبکہ مارشل لاء ابھی جوان تھا لیکن مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو بھی ناک رگڑنا پڑی تھی۔ اس کی دوسری مثال ایرانیوں کے ہاں ملتی ہے جنہوں نے شاہ ایران کے خلاف غیر مسلح بغاوت کی اور خود کوئی گولی نہیں چلائی۔ بلکہ اپنی جانیں دینے کے لئے میدان میں آ گئے۔ نتیجتاً شہنشاہ کو تاج و تخت چھوڑ کر ملک سے بھاگنا پڑا۔

یہ جو ہم نے چار نکاتی پروگرام بنایا ہے' اس پر ہم عمل پیرا ہیں۔ یہ سارے کام جو ہم کر رہے ہیں یہ ہمارے اسی کام کا مقدمہ ہے۔ ہمارا یہ کام آہستہ مگر ثابت قدمی سے (Slow and steady) چل رہا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات بدل دے' اور ان لوگوں کے دلوں میں نرمی پیدا کر دے اور بہتری کی کوئی شکل پیدا ہو جائے' صورت حال تبدیل ہو جائے۔ لیکن ہم نتیجہ کی پروا کئے بغیر اپنے اس پروگرام پر عمل پیرا رہیں گے۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری اس تدبیر کے ذریعے سے پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کر دے اور ہمیں کامیابی دے دے۔

اگر یہ بھی نہ ہو اور خدانخواستہ قومی' ملکی' اجتماعی سطح پر کوئی تقدیر مبرم آ ہی گئی ہے اور اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو بھی ہمیں یہ اطمینان ہے کہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ جو لوگ نہی عن المنکر کا کام کرتے رہے ہوں اللہ انہیں عذاب سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس کا ذکر ہے۔ سورۃ الاعراف میں اصحابِ سبت کا ذکر ہے جن پر عذاب آیا تھا اور ان کی شکل بندروں کی سی بنا دی گئی تھی تو اللہ نے ان میں سے صرف ان لوگوں کو نجات دی جو انہیں برائی سے روکتے رہے تھے ﴿ فَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ﴾ اس لئے کہ نہی عن المنکر واقعتاً بہت بڑی بات ہے۔ ٹھیک ہے جو بھی شامت آنی ہے وہ تو آئے گی لیکن اللہ ایسے لوگوں کو ضرور بچا لے گا۔ دوسری جگہ سورۃ ہود میں فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ○ ﴾ "پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم' جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا' ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے ہیں جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے"۔ دنیا میں عذاب سے نجات کے علاوہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت کے عذاب سے تو محفوظ رکھے گا کہ انہوں نے باطل کو تسلیم نہیں کیا تھا' یہ مجبوراً طاغوت کی چھتری تلے رہے لیکن حالت احتجاج میں (under protest) رہے' اس کو بدلنے کی

جدوجہد کرتے رہے۔ اور انہوں نے اس طاغوت کی چھتری کے نیچے پھلنے، پھیلنے، پھولنے کی کوشش نہیں کی۔ اس طرح ہم ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ ﴾ کے مصداق اپنے رب کے حضور میں معذرت پیش کرنے کی پوزیشن میں تو ہوں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بچی کچھی قوت احادیث صحیحہ میں موجود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی پیشین گوئیوں کے حوالے سے کوئی کردار ادا کر سکے۔ تاہم ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ نواز شریف صاحب کو توبہ کی توفیق دے اور یہ عذاب ٹل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پاکستان کو عالمی سطح پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کا نقطہ آغاز بنادے۔ آمین ~

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

• ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
• دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں
یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟
ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ
دینی فرائض کا جامع تصور
از: ڈاکٹر اسرار احمد
عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت : اشاعت خاص ۸/- ، اشاعت عام ۴/-
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا؟ ـــ کیوں؟ ـــ اور کیسے؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۲) "اسلامی انقلاب" ـــ کیوں؟

ا) مسلمانوں کا دینی فریضہ

"پاکستان میں اسلامی انقلاب ـــ کیوں؟" کا اہم تر جواب یہ ہے کہ یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا ہے۔ ایک شخص اللہ کی وفاداری کا دعویٰ کرتا ہو' جبکہ اللہ کا دین مغلوب ہو اور یہ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ مجھے اللہ سے محبت ہے' اس سے بڑا جھوٹا اور کون ہو گا؟۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑا عشق ہے' جبکہ اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہوں اور اس بدبخت کے احساسات پر جوں تک نہ رینگے تو اس کا عشق رسول ﷺ کا دعویٰ باطل ہے۔ کمزور سے کمزور انسان بھی اپنی ماں کی توہین برداشت نہیں کر سکتا' وہ اگر کچھ نہ کر سکے تو بھی اس کے سارے جسم کا خون اس کے چہرے پر سمٹ آئے گا اور "قہر درویش برجانِ درویش" کے مصداق وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا۔ لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ماں کی گالی کھا کر انسان اطمینان سے بیٹھا رہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ حد درجہ بے غیرت و بے حمیت ہے۔ اسی طرح سوچئے کہ اس دین کی بھی کوئی غیرت و حمیت ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ بھی کوئی وفاداری درکار ہے یا نہیں؟ ہمارے بڑے دعوے ہیں کہ ہم اسلام کے ماننے والے ہیں' اسلام کے شیدائی ہیں' لیکن

ہمارا حال کیا ہے؟ جان لیجئے کہ جو شخص اسلام کو قائم کرنے کی جدوجہد نہیں کرتا اس کی اسلام کے ساتھ کوئی وفاداری نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک لرزا دینے والی حدیث ملاحظہ کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا)) "اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت الٹ دو"۔ ((قَالَ فَقَالَ: يَارَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ)) حضور ﷺ نے فرمایا: اس پر حضرت جبرائیل نے عرض کیا: "پروردگار (فلاں بستی کو اُلٹ دوں؟) اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے آج تک پلک جھپکنے جتنی دیر بھی معصیت میں بسر نہیں کی"۔ اس سے آپ اُس شخص کی نیکی کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ جس نے آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی معصیت میں بسر نہ کی ہو اس کا تقویٰ' اس کی نیکی' اس کی عبادت گزاری' اس کا ذاتی اعتبار سے اللہ کا احکام پر عمل پیرا ہونا کس انتہا کا ہو گا۔ اس لئے کہ گواہی دینے والا نہ کرائے کا گواہ ہے' نہ جھوٹا وکیل ہے' بلکہ جبرائیل ہیں۔ اور جہاں گواہی دے رہے ہیں وہاں ابوجہل بھی جھوٹ نہیں بول سکے گا' وہاں مبالغے کا کوئی امکان نہیں کہ اتنا نیک شخص! لیکن ((قَالَ فَقَالَ: اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ)) حضور ﷺ فرماتے ہیں: اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو دوبارہ حکم دیا "اُلٹو اِس بستی کو پہلے اس بدبخت پر پھر دوسروں پر"۔ ((فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ)) "اس لئے کہ اس کے چہرے کا رنگ میری حمیت کی وجہ سے کبھی سرخ نہیں ہوا"۔ اتنا بے غیرت انسان کہ میرے احکام ٹوٹتے رہے' میری شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں' میرے اوامر کا مذاق اڑتا رہا' نواہی کا چرچا ہوتا رہا اور یہ گوشہ نشین ہو کر اللہ' اللہ کرنے میں لگا رہا۔ معلوم ہوا کہ یہ دوہرا مجرم ہے اور یہ عذاب کا اولین مستحق ہے۔ چنانچہ "اسلامی انقلاب ـــــ کیوں؟" کا سب سے پہلا جواب یہی ہے کہ یہ ہمارا دینی فرض ہے' اس کے بغیر نجات نہیں ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ دین قائم کردینا فرض ہے' بلکہ اسے قائم کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے' اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد فرض ہے۔ یہ ہوگا تبھی جب اللہ چاہے گا۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اسلام کے غلبے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ مثلاً حضرت

حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ غلبۂ اسلام کی جدوجہد کے دوران شہید ہو گئے لیکن وہ اس دنیا سے (معاذ اللہ) محروم و ناکام تو نہیں گئے۔ پھر ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں جو مکے میں ہی شہید کر دیئے گئے تھے لیکن ان کی جدوجہد اسی رُخ پر تھی۔ چنانچہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد یا اسلامی انقلاب کو برپا کرنے کی کوشش اس لئے ضروری ہے کہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

ii) پاکستان کی بقاو استحکام کا تقاضا

"اسلامی انقلاب ——— کیوں؟" کے ضمن میں پہلے میں نے دین کی بات کی' اب دنیا کی بات بھی سن لیجئے۔ ہماری دنیا کیا ہے؟ یہ ملک پاکستان اللہ کا عطا کردہ ملک' جس میں ہمیں آزادی کی دولت حاصل ہے۔ اگرچہ یہاں عوام کو ان کے حقوق میسر نہیں ہیں اور ملکی وسائل پر چند مخصوص طبقات قابض ہیں' لیکن بہرحال اس معنی میں تو آزادی ہے کہ انگریز یا ہندو ہم پر حکمران نہیں۔ ہمارا یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی شخص خالص مادی اعتبار سے بھی سوچے اور دین کا فرض اس کے سامنے نہ ہو' تو بھی وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کی بقاء و استحکام کا ضامن اسلام ہے۔ میرے نزدیک تو اولین فرض دین کا ہے' دنیا بعد میں ہے' مسلمان تو وہی ہے جس کے لئے پہلے دین ہو پھر دنیا۔ لیکن اگر کوئی صرف دنیا کی بات کرتا ہے تو اس کو بھی میں ثابت کر کے یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر یہاں اسلامی انقلاب نہ آیا تو اس ملک کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ جو ہمیں قائداعظم کے فقرے سنائے جاتے ہیں کہ "پاکستان دنیا میں ہمیشہ قائم رہنے کے لئے آیا ہے" کیا ان کی تکرار سے پاکستان مستحکم ہو جائے گا؟ قائداعظم نبی تھے نہ رسول تھے۔ ٹھیک ہے ہمارے محسن تھے' بہت بڑے لیڈر تھے' لیکن نبی اور رسول تو نہیں تھے کہ جن کے منہ سے نکلی ہوئی بات وحی الٰہی پر مبنی ہو۔ پھر یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم کا قائم کیا ہوا پاکستان تو آج رُوئے ارضی پر موجود ہی نہیں رہا۔ چنانچہ یہ فقرہ ویسے ہی غلط ہو چکا ہے۔ جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر پاکستان ایک آزاد' خود مختار اور باوقار ملک کی حیثیت سے باقی رہ سکتا ہے تو اس کا صرف

ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں اسلامی انقلاب آئے۔ اس کا استحکام تو بڑی دور کی بات ہے' میرے نزدیک اسلامی انقلاب کے بغیر اس ملک کے باقی رہنے کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اقبال نے جو بات کہی تھی وہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے کہی تھی' لیکن وہ کسی اور ملک کے لئے صحیح ہو یا نہ ہو' پاکستان کے لئے سو فیصد درست ہے کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

تو یہ پاکستان بڑا خاص ملک ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک ہے۔ ہندوستان سے پاکستان کو ایسے کاٹا گیا ہے جیسے کیک کاٹا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تقسیم میں میدانوں اور دریاؤں تک کو کاٹا گیا ہے اور بھارت کے ساتھ ہماری کوئی فطری سرحد موجود نہیں ہے' جبکہ بھارت وہ ملک ہے جس نے ایک دن کے لئے بھی ہمارے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ ۱۹۷۱ء میں اسے ایک موقع مل گیا تھا تو اس نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اب تک اِس ملک کی حفاظت فرمائی ہے۔ اس دوران کئی مواقع پر یہ ملک عدمِ استحکام کا شکار ہوا' کئی بار علیحدگی کی تحریکوں نے زور پکڑا' جیسے سندھ کی تحریک کے دوران ریلوے لائن کے سلیپر جلانے کی کوشش کی گئی۔ اس موقع پر علیحدگی پسندوں کو بھارت سے مدد نہ مل سکی ورنہ اگر ان کے پاس کہیں ڈائنامائٹ وغیرہ ہوتے تو ہماری لائف لائن کئی جگہ سے ٹوٹ سکتی تھی اور ایک دفعہ یہ لائف لائن ٹوٹ جائے تو فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کے لئے تیل کہاں سے آئے گا جو تیل پیتے ہیں۔ اگر آپ کی "آئیل سپیشل" ٹرین چند دن کراچی سے نہ آئے تو پورے ملک میں پہیہ جام ہو جائے گا یا نہیں؟ اس سے جو حشر بپا ہو گا اس کا آپ اندازہ کیجئے۔ الحمد للہ کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے ابھی تک بچایا ہوا ہے۔

"اسلامی انقلاب ــــــ کیوں؟" کے دو جواب ہو گئے۔ ایک یہ کہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے' یہ اللہ کے ساتھ ہماری وفاداری کا تقاضا ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

یہ حضور ﷺ کے ساتھ ہماری وفاداری کا تقاضا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی میں پاکستان کی بقا ہے۔ اسی سے پاکستان کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔

"اسلامی انقلاب" ــــــ کیسے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب آئے کیسے؟ بلی کے گلے میں گھنٹی کیسے باندھی جائے اور اسے باندھے کون؟ یہ ہے اصل مسئلہ۔ قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے تو اس کے لئے ہمیں سورۃ الفتح کی آخری دو آیات میں بھرپور راہنمائی ملتی ہے۔ ان میں پہلی آیت کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ.... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اسے کل کے کل دین پر...."

لیکن کرے کیسے؟ اس کا جواب اگلی آیت میں ملتا ہے۔ قرآن حکیم اور سیرتِ نبوی ﷺ کے عمیق مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت ایک ایسی جماعت کا قیام ہے جس میں درج ذیل اوصاف ہوں :

اولاً یہ کہ اس میں شامل ہونے والے از سرنو اللہ سے یہ عہد کریں کہ اے اللہ اب تک ہم سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں ان کو معاف کر دے' آئندہ ہم تیرے حکم کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔ اللہ کے ساتھ تجدید عہد کرتے ہوئے وہ جس اسلام کو قائم کرنا چاہتے ہیں پہلے اسے اپنے اوپر قائم کریں' اپنے گھروں میں اسلام نافذ کریں۔ اگر یہ نہیں کرتے تو وہ جھوٹے اور فریبی ہیں۔ اپنے اوپر اور اپنے گھروں میں اسلام نافذ کئے بغیر اگر یہ نفاذ اسلام کی تحریک کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تو یہ دھوکہ ہے' فراڈ ہے' خود فریبی ہے ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ!

تو پہلی بات یہ کہ وہ خود اسلام پر کاربند ہوں۔

دوسری ضروری بات یہ کہ وہ اتنے منظم ہو جائیں کہ انہیں جو حکم ملے اس کیلئے تن من دھن سب لگانے کیلئے تیار ہو جائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو انقلاب برپا کیا تو کیسے کیا؟ ــــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جماعت کے اوصاف قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان ہوئے ہیں :

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا...الخ ﴾

"اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود میں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے..."

یہ نقشہ ہے اُس جماعت کا جس کی قربانیوں' سرفروشیوں' محنتوں اور مشقتوں سے دین غالب ہوا۔ ایک بات عرض کر رہا ہوں' اس کو سمجھنے میں غلطی نہ کریں' ورنہ آپ اسے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر محمول کریں گے۔ بات سمجھانے کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انقلاب نہیں لا سکتے تھے' انقلاب لانے کے لئے جماعت کی ضرورت ہے۔ اکیلے حضرت نوح علیہ السلام انقلاب نہیں لا سکے۔ لوگ ساتھ نہیں آئے' انقلاب نہیں آیا۔ اکیلا شخص دعوت دے سکتا ہے' تبلیغ کر سکتا ہے' شب و روز اس کام میں مصروف رہ سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک یہ کام کیا ہے۔ لیکن اگر ایسے ساتھی نہ ہوں جو پروانہ وار اپنی جانوں کو اس شمع پر نثار کرنے کو تیار ہوں تو انقلاب نہیں آ سکتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دعوت دی اور ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اس کے بعد جنگ کا مرحلہ آیا تو جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم پروانہ وار آگے بڑھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں دعوت دی تھی' پھر ہجرت کر کے جزیرہ نمائے سینا میں آئے تو چھ لاکھ افراد ساتھ تھے۔ لیکن اب جنگ کا وقت آ گیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا : ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ "جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ نتیجہ کیا نکلا؟ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام' دو رسول موجود

تھے' لیکن انقلاب نہیں آسکا۔ قوم نے بزدلی دکھائی تو اللہ نے فرمایا دیا کہ ارضِ مقدس ان پر چالیس برس تک حرام کردی گئی ہے ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ چنانچہ چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ ان چالیس برسوں کے دوران میں پچھلی نسل' جو ہماری طرح غلامی میں پلی بڑھی تھی' وہ ختم ہوئی اور صحرا میں ایک نئی نسل پروان چڑھی تو اس کے ہاتھوں انقلاب آیا ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!

اس کے برعکس محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں جب جنگ کا مرحلہ آیا تو ساتھیوں نے عرض کیا: "حضور ﷺ جو آپ کا ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے آپ کو آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے"۔ حضرت مقداد بن اَسود رضی اللہ عنہ ایک مہاجر ہیں' انہوں نے بڑی پیاری بات کہی کہ حضور' ہمیں موسیٰ کے ساتھی نہ سمجھئے جنہوں نے اپنے رسول کو صاف جواب دے دیا تھا۔ چنانچہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایسے سرفروشوں کی ایک جماعت درکار ہے جو اس مقصد کے ساتھ اس قدر مخلص ہوں اور انہیں اس سے ایسا والہانہ لگاؤ ہو کہ لوگ انہیں FANATICS اور دیوانے کہیں۔ ان کی شان یہ ہو کہ ؎

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی!

اس جماعت کا تیسرا وصف یہ ہونا چاہئے کہ یہ ایک منظم جماعت ہو۔ اگر یہ لوگ ایک حکم پر حرکت نہیں کرتے تو یہ ایک ہجوم اور انبوہ (mob) کہلائے گا' اسے ایک جماعت نہیں کہا جاسکتا۔ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

عید آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عید محکوماں ہجومِ مومنیں!

تو یہ ایک "ہجوم مؤمنین" نہ ہو بلکہ واقعتاً ایک جماعت ہو اور جب تک یہ جماعت منظم نہ ہو' بنیان مرصوص نہ ہو' سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ ہو' انقلاب نہیں آئے گا۔

مطلوبہ انقلابی جماعت کا چوتھا وصف تربیت ہے۔ یہ جان لیجئے کہ انقلاب اسلامی کے لئے دو چیزیں لازم ہیں۔ پہلے انقلابی جماعت کا وجود میں آنا اور پھر انقلابی جدوجہد اگر جماعت ہی نہ ہو تو جدوجہد کیا ہو گی۔ اور جماعت اگر خام اور کچی ہے تو جدوجہد ناکام ہو جائے گی۔ بقول اقبال ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تُو

چنانچہ اسے پختہ کرنے کے لئے تربیت ضروری ہے' جس میں اولین شے "نماز" ہے۔ جیسا کہ ہم نے نبویؐ جماعت کے اوصاف ملاحظہ کئے : ﴿ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾ ۔ اسی طرح روزہ ہے۔ روزہ کیا ہے؟ "اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ" نفس کے حملوں کے خلاف اللہ کی عطا کردہ ڈھال ہے۔ گویا یہ "عبادات" مسلمان کو اسلامی انقلاب کے لئے تیار کرنے کے لئے ہیں۔ جب یہ مقصد ذہن سے نکل جاتا ہے تو یہ عبادات محض رسمیں (Rituals) بن جاتی ہیں ؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اس جماعت کا پانچواں وصف یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو ــــــ اور چھٹا وصف یہ کہ ہر قسم کی انتخابی سیاست سے کنارہ کش رہے۔ یہ دو چیزیں ہیں جو ملک و قوم کو پھاڑتی ہیں۔ فرقہ واریت میں مسجدیں تک تقسیم ہو جاتی ہیں کہ اس کی مسجد اور میری مسجد اور 'لہٰذا من دیگرم تو دیگری۔ اسی طرح انتخابات میں مقابلے میں آکر ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرائی ہوتی ہے' جو قوم کو تقسیم کرتی ہے۔ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اس لئے بھی ضروری ہے کہ انقلاب کبھی انتخاب کے ذریعے نہیں آیا کرتا۔ جو لوگ پولٹیکل سائنس کی تھوڑی بہت بھی شُد بُد رکھتے ہیں وہ میری اس بات پر غور کریں کہ انتخاب ہمیشہ کسی ملک میں جو صورتحال قائم ہو' جسے انگریزی میں status quo کہتے ہیں' اس کو برقرار رکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ انتخاب میں ووٹ انہیں ملیں گے جن کے پاس وسائل ہیں' جو haves ہیں' جن کے پاس زمینداریاں ہیں

اور حلال و حرام کا کمایا ہوا کروڑوں روپیہ ہے۔ تین سو کے ہاؤس میں دو تین یا زیادہ سے زیادہ دس بارہ افراد ان سے علیحدہ کہیں آجائیں تو آجائیں' لیکن اکثریت انہی میں سے آئے گی۔ آپ کے ووٹروں کی اکثریت دیہات میں بستی ہے' اور وہ بھلا جاگیردار اور زمیندار کے خلاف ووٹ دے سکتے ہیں؟ اب جو لوگ وہاں سے ووٹ لے کر آئیں گے کیا وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے؟ کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جاگیرداری ختم کریں گے؟ سرمایہ داری کے بل پر وہاں پہنچے ہیں وہ بھلا سرمایہ داری ختم کریں گے؟ زمینداری اور جاگیرداری کے بل پر وہاں پہنچنے والے اس زمینداری اور جاگیرداری کو تحفظ دیں گے یا ختم کریں گے؟ الیکشن سے سوائے status quo کو برقرار رکھنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پورے ایوان میں دو چار آدمی لڑتے جھگڑتے رہیں' آواز اٹھانے کی کوشش کرتے رہیں اور ان کا مذاق اڑتا رہے' اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں بھی دو چار مہینے ضیاء الحق صاحب کی منتخب مجلس شوریٰ میں جاکر دیکھ آیا ہوں کہ وہاں کیا حشر ہوتا ہے۔ انتخابات در حقیقت کسی نظام کو چلانے اور برقرار رکھنے کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں لیکن کسی نظام کو بدلنے کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتے۔ نظام کو بدلنے کیلئے انقلابی جماعت درکار ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے نام پر الیکشن میں آتے ہیں انہوں نے فرقہ واریت کو ایک سے دس گنا بڑھادیا ہے۔ اس لئے کہ اگر تو یہاں پر کوئی ایسا آرڈیننس ہوتا کہ اسلام کے نام پر ووٹ صرف ایک جماعت مانگ سکتی ہے' کسی اور کو یہ حق نہیں' پھر تو کام بہت آسان تھا کہ تمام اسلام پسند ووٹ اسی پارٹی کو مل جاتے' لیکن یہاں پر کوئی ایسی قدغن تو ہے نہیں۔ چنانچہ اسلام کے نام پر جماعت اسلامی بھی ووٹ مانگے گی' جمعیت علماءِ اسلام بھی' جمعیت علماءِ پاکستان بھی اور دیگر مختلف مذہبی جماعتیں بھی نفاذِ اسلام کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جائیں گی اور اب ہر ایک کو اپنا اسلام علیحدہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ جب ووٹ علیحدہ لینے ہیں تو اپنا اسلام بھی علیحدہ کرنا ہوگا' اپنے اسلام کی علامات علیحدہ کرنا ہوں گی۔ ہمارے یہاں فرقے پہلے بھی تھے' لیکن فرقہ واریت نے جو عفریت کی شکل اختیار کی ہے اور یہ ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور بن گیا ہے اس کی وجہ یہی مذہبی

جماعتوں کی انتخابی سیاست ہے۔

چنانچہ اسلامی انقلاب کے لئے مذکورہ بالا چھ اوصاف کی حامل جماعت درکار ہے' جو اسلامی انقلابی پارٹی ہو گی۔ میں نے ان بنیادوں پر ایک اسلامی انقلابی جماعت تشکیل دینے کی کوشش کی ہے' جس کا نام تنظیم اسلامی ہے۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے خواہاں ایسے حضرات جو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر سکیں اس جماعت میں شامل ہو کر میرے دست و بازو بنیں۔ اور جو ہمارے ساتھ نہ آنا چاہیں وہ ان چھ اوصاف کی حامل کوئی دوسری جماعت تلاش کریں یا خود اپنی جماعت بنائیں۔ انقلاب کے لئے یہ چھ شرائط آپ کو بہرحال پوری کرنا ہوں گی۔

حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ((آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ] بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (رواہ احمد والترمذی) "(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ یعنی التزامِ جماعت' سننا' اطاعت کرنا' ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات یہ فرمائی کہ جماعت کی شکل میں رہو۔ جو شخص کسی جماعت میں نہیں ہے اس کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ پھر جماعت کیسی؟ ((وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ)) یعنی سنو اور اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ جی چاہا تو مان لیا' نہیں جی چاہا تو نہ سہی' بات اچھی لگی تو مان لی' نہیں اچھی لگی تو جائے جہنم میں۔ اس کے بعد یہ جماعت کیا کرے گی؟ فرمایا : ((وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) اللہ کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے گا چھوڑیں گے۔ اپنا گھربار اہل وعیال سب کچھ چھوڑیں گے اور جب وقت آئے گا اللہ کی راہ میں گردنیں کٹوائیں گے۔ یہ نیت رکھنا اول روز سے ضروری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ چھ اوصاف والی جماعت درکار ہے اور اس جماعت کو قائم کرنا اسلامی انقلاب کے لئے اولین ضرورت ہے۔

انتخابی سیاست کے بارے میں ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہم الیکشن میں کبھی حصہ نہیں لیں گے' کسی کے مقابلے میں نہیں آئیں گے' البتہ ہم ایسے امیدواروں کو ووٹ دیں گے اور ان کی حمایت کریں گے جو دو شرطیں پوری کرتے ہوں۔ ایک یہ کہ وہ خود اسلام پر

کاربند ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسی جماعت سے منسلک نہ ہوں جن کے منشور میں کوئی بات خلاف اسلام ہو۔ کوئی شخص چاہے خود ذاتی طور پر اسلام پر عمل پیرا دکھائی دیتا ہے لیکن کسی ایسی جماعت میں شریک ہو گیا ہے جس کے منشور میں کوئی چیز خلاف اسلام ہے تو ہم اس کے لباس اور داڑھی سے دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ اور جو شخص خود ہی اسلام پر عمل پیرا نہیں اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ہمارے ملکی مفادات کے بارے میں دیانتداری اختیار کرے گا۔ جو اللہ کا نہیں وہ کس کا ہو گا؟ جو نماز نہیں پڑھتا اس سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دیانتداری سے ملک کا نظام چلائے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا چھ اوصاف کی حامل اسلامی انقلابی جماعت کس طریقے سے اسلامی انقلاب برپا کرے گی؟ یعنی اگر ایک ایسی جماعت تشکیل پا جاتی ہے جس میں معتد بہ تعداد میں ایسے لوگ شامل ہوں جو اپنے اوپر اسلام کو نافذ کئے ہوئے ہوں وہ نظم کے بھی پابند ہوں' وہ تن من دھن سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہوں' وہ نماز روزے کے بھی پابند ہوں' وہ فرقہ واریت سے بالاتر ہوں' اور وہ الیکشن کی سیاست سے بھی کنارہ کش رہیں تو اب یہ جماعت کیا کرے گی؟ یہ بہت ہی اہم سوال ہے۔ اگرچہ حکمت تو اس کی متقاضی ہوتی ہے کہ بعد کی باتوں کو پہلے سے موضوع بحث نہ بنایا جائے لیکن میں یہ ساری وضاحت اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا طریقہ کار واضح ہو جائے او جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ اس راہ کے نشیب و فراز کو پہلے سے جان لے۔ یہ انقلابی جماعت "نہی عن المنکر بالید" پر عمل پیرا ہو گی جو حدیث نبوی ؐ کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ معاشرے میں جو بھی منکرات اور برائیاں موجود ہیں انہیں بدلنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے اور حدیث میں اس کے تین درجے مقرر کئے گئے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ' وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) (رواہ مسلم)

"تم میں سے جو کوئی بھی کسی منکر کو دیکھے تو وہ اپنے زورِ بازو سے اس کو بدلے! اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے!) لیکن اگر

اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر اپنے دل سے (برائی کو برائی جانے اور اس کو روکنے کی خواہش کرے!) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اس حدیث میں نہی عن المنکر کے تین درجے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے آخری درجہ یہ ہے کہ برائی کو برائی سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی دیکھ کر انسان کو دکھ ہو' غم ہو' رنج ہو' افسوس ہو' وہ دل میں کڑھن اور بے چینی محسوس کرے۔ اس کے بارے میں فرمایا : ((ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا : ((لَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) جس کے پاس یہ احساس بھی نہیں اس کے پاس رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے کہا جائے کہ دیکھو یہ غلط کام ہے' مت کرو' خدا کے بندو باز آ جاؤ' خدا کے غضب کو دعوت مت دو۔

برائی کو روکنے کا بلند ترین درجہ نہی عن المنکر بالید ہے۔ یعنی طاقت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ کہ ہم یہ برائی نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ فرض کیجئے کہ میرے گھر کا مسئلہ ہے' میرے گھر میں کوئی برائی ہو رہی ہے تو وہاں یہ میری ذمہ داری ہے کہ طاقت کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں کہ یہ نہیں ہونے دوں گا۔ اگر میرا بیٹا کسی بری بات پر اڑا ہوا ہے اور وہ میری بات نہیں مانتا تو وہ گھر چھوڑ کر نکل جائے۔ چلئے گھر میں تو طاقت استعمال ہو گئی' ملکی سطح پر طاقت کیسے استعمال ہو گی؟ وہ اسلامی انقلابی جماعت جس کے چھ اوصاف میں نے گنوائے ہیں وہ جماعت جب تیار ہو جائے گی تو وہ ایک انقلابی طاقت ہو گی۔ وہ جماعت پھر چیلنج کرے گی کہ ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے' یہ کام ہماری لاشوں پر ہو گا۔ چنانچہ ہم مظاہرے کریں گے' Picketing کریں گے' گھیراؤ کریں گے' ہم کھڑے ہو جائیں گے کہ یہ ہم نہیں ہونے دیں گے۔ بشرطیکہ وہ منظم انقلابی جماعت تیار ہو چکی ہو۔ اگر جماعت کافی تعداد میں نہیں تو پھر یہ کام کرنا پاگل پن ہے۔ جب تک ایسی منظم جماعت تیار نہیں ہو جاتی اُس وقت تک ہم نہی عن المنکر باللِّسان کریں گے۔ یعنی زبان سے برائی کو روکیں گے کہ خدا کے لئے باز آ جاؤ۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۱۴/ اگست اور ۲۳ مارچ دو

نئی عیدیں ہیں جو ہم نے قومی سطح پر ایجاد کی ہیں۔ ان میں فوج کی پریڈ ہوتی ہے۔ اس پریڈ میں مرد تو حصہ لیتے ہی ہیں' جوان لڑکیوں کی پریڈ بھی ہوتی ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک گرلز کالج کی پرنسپل کا فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ مگر بہت سی باتیں کرتے ہیں اور اس کے خلاف آپ نے کبھی آواز نہیں اٹھائی' آپ کو نظر نہیں آتا یہ کیا ہوتا ہے؟ میرا ذہن پہلے اس طرف نہیں گیا تھا کیونکہ میں نے آج تک کوئی پریڈ دیکھی ہی نہیں۔ پھر خیال آیا کہ اگرچہ پریڈ نہیں دیکھی مگر اخبارات میں پریڈ کی تصاویر تو شائع ہوتی ہیں' لہٰذا اب تک اس کے خلاف آواز نہ اٹھا کر ہم نے واقعتاً ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ کی اس بندی کے توجہ دلانے پر میں نے اس منکر کے خلاف آواز اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت میں عمرے کے لئے جانے والا تھا۔ ماہِ مارچ کا پہلا جمعہ تھا۔ مسجد دارالسلام ایک مرکزی جگہ ہے' جہاں فوجی افسر بھی آتے ہیں' سول بھی۔ میں نے وہاں اسی انداز میں تقریر کی کہ خدا کے لئے اس منکر کو بند کرواؤ۔ اگر کسی کی گورنر یا صدر (ضیاء الحق) صاحب تک رسائی ہے تو خدارا وہ جا کر انہیں سمجھائیں کہ یہ منکر ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جوان لڑکیاں مردوں کے سامنے اس طرح سینہ تان کر پریڈ کریں۔ میں نے اُس وقت بھی عرض کیا تھا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ لڑکیوں کو ٹریننگ نہ دیں۔ آپ انہیں کالجوں میں ٹریننگ دیں۔ گرلز کالج باپردہ ہوتے ہیں' وہاں وہ کھیلیں بھی اور ٹریننگ بھی کریں۔ اور اگر ان کی پریڈ ۲۳ مارچ کو کروانی ہے تو قذافی سٹیڈیم میں کروالیں' جہاں ان کی مائیں' بہنیں جائیں اور صرف عورتیں ان کو دیکھیں۔ پریڈ کرنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن جوان مسلمان لڑکیاں جو حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبت رکھتی ہوں وہ سڑک پر پریڈ کریں اور وہ لوگ کھڑے ان کو دیکھ رہے ہوں جو اپنے آپ کو محمد ﷺ کے امتی کہتے ہیں' یہ بات ہمیں گوارا نہیں۔ یہ سراسر منکر ہے اور اس کے منکر ہونے میں کسی اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی یا شیعہ کو اختلاف نہیں' یہ سب کے نزدیک منکر ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس طاقت نہیں ہے' لہٰذا ہم ہاتھ جوڑ کر صرف گزارش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ گزارش میں نے بھی کی اور پھر عمرے کے لئے چلا گیا۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ میں ۲۴ مارچ کو واپس آیا۔ اُس روز اخبارات کی چھٹی تھی' لہٰذا دن

کے اخبار تو چھپے نہیں تھے۔ ہوائی جہاز میں کراچی سے لاہور واپس آتے ہوئے مجھے شام کو چھپنے والے چھوٹے چھوٹے اخبار ملے۔ ان میں سے ایک انگریزی اخبار کی ہیڈ لائن یہ تھی

-Women parade took place despite the letter of Mian Tufail-

یعنی اخبار نے سرخی لگائی کہ "لڑکیوں کی پریڈ ہو کر رہی میاں طفیل کے خط کے باوجود"۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے بھی صدر صاحب کو کوئی خط لکھا تھا۔ ہو سکتا ہے میاں صاحب کا ذہن بھی پہلے کبھی ادھر نہ گیا ہو اور اسی وقت میرے کہنے سے یا اسی خاتون کے توجہ دلانے سے انہیں اطلاع پہنچی ہو اور انہیں نے ضیاء الحق صاحب کو خط لکھا ہو۔ لیکن میاں صاحب کے خط کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور لڑکیوں کی پریڈ ہو کر رہی۔ اس لئے کہ یہ لوگ صرف طاقت کی زبان جانتے ہیں۔

اس ایک مثال سے منکرات کے سدباب میں طاقت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب مطلوبہ طاقت مہیا ہو جائے گی تو پھر ہم ہاتھ نہیں جوڑیں گے' بلکہ چیلنج کریں گے کہ یہ ہم نہیں ہونے دیں گے' اب یہ ہماری لاشوں پر ہو گا۔ ہم پر لاٹھیاں برستی ہیں تو برسیں' سر پھوٹتا ہے تو پھوٹے۔ ہمیں اور کیا چاہئے' ہو المراد' یہی تو ہمارا مقصود اور مطلوب ہے۔ اگر جیلوں میں ٹھونستے ہیں تو ٹھونسیں۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے تو یہ باتیں ٹیلی ویژن پر "رُوبرو" پروگرام میں بھی کہی تھیں۔ اس لئے کہ مجھے تو کسی سے ڈر نہیں ہے' مسلمان کیلئے اللہ کا ڈر کافی ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب معتدبہ تعداد میں ساتھی میسر آئیں۔ اگر ساتھی نہیں ملتے تو میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر پیش کر دوں گا کہ میں نے پاکستان کے کونے کونے میں جا کر یہ بات کہی ہے' لیکن لوگ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔ میں واضح کئے دیتا ہوں کہ اس کے سوا اسلام لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

تاہم اس جدوجہد میں یہ شرط ضروری ہو گی کہ یہ مظاہرے بالکل پُرامن ہوں گے' ان میں توڑ پھوڑ اور دنگا فساد نہیں ہو گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ ہم سٹریٹ لائٹس توڑ دیں' کسی در پر غصہ نہ چلے تو ٹریفک لائٹس اور نیون سائن توڑ دیں یا سرکاری املاک کو نذرِ آتش

کریں۔ غضب خدا کا' آج اسلام کا نام لینے والے نوجوان بسیں جلا رہے ہیں۔ یہ بسیں نہ بھٹو کے باپ کی تھیں نہ ضیاء الحق کی ہیں' یہ اِس قوم کی ملکیت تھیں' اِس قوم کے سرمائے سے خریدی گئی تھیں۔ انہیں جلانے کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا بسوں کے جلانے سے بھٹو کا کچھ بگڑ گیا تھا یا ضیاء الحق کا کچھ بگڑ گیا۔ حکومت تو ایک نیا معاہدہ سائن کرے گی اور اربوں روپے کا نیا قرض لے کر سینکڑوں بسوں کا فلیٹ چند ماہ کے اندر کیماڑی میں اُتار کر کھڑا کر دے گی۔ اللہ کے بندو! یہ سوچو کہ جو شخص اپنے گھر جانے کیلئے ٹاور سے سوار ہوا تھا' اس نے کتنے کھکھیڑ مول لئے ہونگے' اور تم نے اس غریب کو برنس روڈ پر اُتار کر کھڑا کر دیا۔ اس کے بچے گھر میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو گالیاں دیں گے یا آپ کے ساتھی بنیں گے؟ دنیا میں کوئی کام عقل سے بھی کرنا چاہئے۔ ہاں آگے آؤ' پیچھے قدم نہ ہٹے' لیکن کسی کو تم سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ برس تک صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں یہ حکم دیا کہ چاہے تمہارے پرخچے اڑا دیئے جائیں' تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے تو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی' شرط عزم وہمت کی ہے۔

پُرامن اور پُرتشدد تحریک کے موازنے کی ایک مثال ہمیں مشرقی پنجاب میں ملتی ہے۔ بھارتی پنجاب اور ہمارا پنجاب کبھی ایک ہی صوبہ تھا اور ایک ہی ملک کا حصہ تھا۔ تقسیم ہند کے وقت ہم جس پنجاب کو چھوڑ کر آئے تھے اب وہ تین صوبوں میں منقسم ہو چکا ہے۔ یعنی ہریانہ' ہماچل پردیش اور پنجاب۔ اس پنجاب میں انیس سو تیس کی دہائی میں بھی سکھوں نے ایک تحریک چلائی تھی اور ان کی ایک تحریک اب چل رہی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے اس کو سمجھ لیجئے۔ وہ پُرامن تحریک تھی' جو کامیاب ہو گئی۔ یہ تحریک تشدد سے شروع ہوئی ہے' اس کا سارا نقصان سکھوں کو پہنچے گا اور انتہاپسند سکھوں کا بالکل صفایا کر دیا جائے گا[1]۔ جس پُرامن تحریک کی میں بات کر رہا ہوں وہ سکھوں نے اپنے

{1} واضح رہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ۳۰/اگست ۱۹۸۵ء کا ہے۔ اُن دنوں بھارت میں خالصتان کے قیام کی تحریک زوروں پر تھی۔ لیکن بھارتی حکومت نے اس پُرتشدد تحریک کو طاقت کے بل پر کچل کے رکھ دیا اور انتہاپسند سکھوں کا تقریباً صفایا کر دیا۔ (مرتب)

گوردواروں کا انتظام اپنی تحویل میں لینے کے لئے چلائی تھی۔ عجیب طرفہ تماشہ تھا کہ اُس وقت سکھوں کے گوردواروں کا کنٹرول ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے کہ سکھوں کو اس وقت تک علیحدہ مذہب نہیں سمجھا گیا تھا اور انہیں بھی ہندوؤں ہی کا ایک فرقہ (sect) شمار کیا جاتا تھا۔ سکھوں کے گوردواروں کے ساتھ بڑے بڑے اوقاف تھے جن پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ سکھوں نے "گوردوارہ پربندھک کمیٹی" کے نام سے تحریک چلائی کہ ہمیں اپنے گوردواروں کا کنٹرول ملنا چاہئے۔ ہندوؤں کے پاس پیسہ بھی تھا اور پولیس بھی ان کے ساتھ تھی' بلکہ پوری حکومت ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ لہٰذا امرتسر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ حاجی عبدالواحد صاحب[1] جن کی عمر اِس وقت ۸۵ سال کے لگ بھگ ہے اور انہوں نے ۱۹۳۰ء میں ایم اے انگریزی کیا تھا' وہ چشم دید گواہ ہیں کہ سکھوں کے پچاس پچاس افراد پر مشتمل جتھے نکلتے تھے' لیکن انہیں حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود جلوس نکالنا چونکہ خلافِ قانون تھا لہٰذا پولیس ان جتھوں پر لاٹھیاں برساتی۔ پولیس کی لاٹھیوں سے سکھوں کے سر پھٹ جاتے اور وہ سڑک پر گر جاتے' لیکن ان کے ہاتھ بندھے رہتے۔ آخر کار حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سکھوں کو اپنے گوردواروں کا کنٹرول مل گیا۔ جبکہ اب جو سنت جرنیل سنگھ نے تحریک شروع کی ہے یہ پہلے دن ہی سے پُر تشدد رہی ہے۔ انہوں نے پہلے اپنوں کو مارا' پھر ہندوؤں کو مارا' اور نتیجتاً دہلی میں سکھوں کو جو دن دیکھنا پڑا ہے وہ آپ کے علم میں ہو گا۔ میرے نزدیک اس تحریک کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

یہ ہے اصل میں تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی کا معاملہ۔ اور یہ چیزیں نوعِ انسانی کو محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بارہ برس تک اپنے ساتھیوں کی تربیت فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ "كُفُّوْا اَيدِيَكُمْ" اپنے ہاتھ بندھے رکھو!۔ چنانچہ اب بھی اسلامی انقلاب کے لئے اٹھنے والی تحریک کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ تنظیم اور تربیت کے مرحلے میں ہاتھ بندھے رہیں۔ ہاں اس کے بعد وقت آ سکتا ہے کہ ہاتھ

---

[1] حاجی عبدالواحد صاحب اب انتقال فرما چکے ہیں۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

کھول دیئے جائیں' چیلنج ہو جائے کہ اب آؤ میدان میں۔ لیکن بحالاتِ موجودہ مقابلہ چونکہ کفار سے نہیں ہے لہٰذا ہمیں پُرامن مظاہروں کا راستہ اختیار کرنا ہو گا اور منکرات کے خاتمے کے لئے ڈٹ جانا ہو گا۔ اب ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ اب دو ہی راستے ہوں گے' یا تو نظامِ وقت کی پاسبان حکومت گھٹنے ٹیک دے گی' حکومت پسپائی اختیار کرے گی کہ اب ہم لڑکیوں کی پریڈ نہیں کریں گے۔ ٹھیک ہے' ہمیں حکومت نہیں چاہئے' حکومت کی تو خواہش بھی اگر دل میں ہو تو ایمان کے منافی بات ہو جائے گی۔ اگر آپ کے ہاتھوں یہ کام ہو جائے تو ہمیں کیا چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے منکر کے خلاف احتجاج کرتے رہیں گے اور ایک ایک کر کے تمام منکرات صاف ہو جائیں گے' اور اگر حکومت اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لے کہ ہم گھٹنے کیوں ٹیکیں' تو اب انقلابی جماعت کا امتحان ہے کہ تیاری صحیح تھی یا نہیں' تربیت پا کر پختہ ہو گئے تھے یا نہیں ؎

با نشہ ٔ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

اگر ناقص تربیت کے ساتھ پختہ ہوئے بغیر یہ کام کیا گیا تو انقلابیوں کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ علامہ کہتے ہیں کہ پہلے تمہیں درویشی کی مشق کرنی ہو گی۔ یہ نماز روزہ جیسی عبادات درویشی کی مشق ہی تو ہے کہ پختہ ہو جاؤ۔ لیکن یہ نہیں کہ ساری عمر مشق ہی ہوتی رہے اور کبھی طاقت کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے۔ جب طاقت حاصل ہو جائے اور پختہ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو سلطنت جم پر دے مارو۔ اس کی مثال میں دیا کرتا ہوں کہ کچی ریت کا گولہ لے کر آپ شیشے کے اوپر ماریں گے تو شیشہ موجود رہے گا اور کچی ریت کا گولہ بکھر جائے گا۔ جبکہ اسی کچی ریت کے گولے کو آگ پر پکا کر روڑا بنائیں اور اب ماریں تو شیشہ چکنا چور ہو جائے گا ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تُو

اسلامی انقلابی جماعت اگر تربیت کے مرحلے سے گزر کر میدان میں آئے گی تو انقلاب برپا ہو جائے گا' بصورت دیگر یہ ختم ہو جائے گی۔ یہ ہے جواب اس تیسرے سوال کا کہ

اب آخری بات کہہ رہا ہوں کہ یہ باتیں میرے لئے صرف قال کے درجے میں نہیں ہیں' یہ میرا حال ہے۔ میں ۱۹۶۵ء میں منٹگمری (ساہیوال) سے واپس لاہور آیا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کر کے لاہور سے گیا تھا اور گیارہ برس لاہور سے باہر رہا ہوں۔ ۱۹۶۵ء میں اسی ارادے سے یہاں آیا تھا کہ یہی اقامت دین کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اپنا تقریباً سارا وقت اسی کام میں لگایا ہے۔ قرآن کی دعوت و تبلیغ' دروسِ قرآن کے حلقے' انجمن خدام القرآن کا قیام' قرآن کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج' آپ ان سب چیزوں سے واقف ہیں۔ اسی ضمن میں ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بھی تھا۔ جو موقع بھی ملا ہے اس کو استعمال کیا ہے' پھر ملے گا تو پھر کریں گے۔ ٹی وی نہیں تو آڈیو ویڈیو کیسٹس سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔ ایران کا پورا انقلاب کیسٹ ریوولیوشن کہلاتا ہے' وہاں تو ویڈیو بھی نہیں تھے' ابھی صرف آڈیو کیسٹ تھے۔ ہم یہ کام ہر ممکن ذریعے سے کرتے رہیں گے۔ ہم نے تنظیم اسلامی کے نام سے ایک اسلامی انقلابی جماعت بنانے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ہم ایسی مطلوبہ جماعت بنا چکے ہیں' اس لئے کہ مطلوبہ اوصاف بڑے کٹھن ہیں' ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس معیار پر پورے اتریں۔ جنہیں ہمارا ساتھ دینا ہے' ہمارے ساتھ آئیں اور جنہیں ہم پر اعتماد نہیں وہ خود کھڑے ہوں' لیکن یہ جان لیں کہ یہ ان کا دینی فرض بھی ہے اور دنیاوی بھی۔ اب اس کے بعد سوچنا غور کرنا آپ کا کام ہے۔ اگر بات سمجھ میں آتی ہے تو کچھ کرنے کا ارادہ لے کر اٹھیں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

(مرتب : حافظ خالد محمود خضر)

> قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

علّامہ اقبال اور ایران کا "اسلامی انقلاب"

بسلسلۂ علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۵)

ڈاکٹر ابو معاذ

لّامہ اقبال اور ایران

اس کتاب میں ہم اقبالیات کا اجمالی جائزہ تو شامل نہیں کر رہے' صرف علامہ اقبال کے ایران کے انقلاب اور فکری ارتقاء پر اثرات کا ایک مختصر سا خاکہ قارئین کو پیش کریں گے تاکہ شاعر مشرق کے افکار و اثرات کے وہ پہلو اُجاگر ہو سکیں جو ممکن ہے کہ ہمارے قارئین کی نظر سے اوجھل رہے ہوں۔

ذاتی تجربات

راقم الحروف کو بچپن سے ہی بتایا گیا تھا کہ علامہ اقبال کا بیشتر کلام فارسی زبان میں ہے' مگر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں جب فاضل فارسی (منشی فاضل) کے امتحان کی تیاری کرنا شروع کی تو آہستہ آہستہ علامہ اقبال کے فارسی کلام سے شناسائی ہونے لگی۔ اسکے کورس میں صادق سرمد کی مشہور نظم شامل تھی جس میں انہوں نے یومِ اقبال پر شاعر مشرق کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اگرچہ مَرد بمیرد بگردشِ مہ و سال
نمردہ است و نمیرد محمد اقبال

(اگرچہ انسان گردشِ ایام کے باعث اس جہان سے چلا جاتا ہے' لیکن محمد اقبال نہ مرے ہیں اور نہ کبھی انہیں موت آئے گی۔)

راقم الحروف اس قصیدہ کے صوتی اور معنوی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ قصیدہ سارے کا سارا زبانی یاد ہو گیا۔ پھر ایف ایس سی کے لئے اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

میں داخلہ لیا تو وہاں کے پرنسپل جناب خواجہ عبدالحمید عرفانی سے شناسائی ہوئی اور پھر وہ زندگی بھر کے تعلق میں ڈھل گئی۔ ان سے جب علامہ اقبال اور ایران کا ذکر ہوا تو میں نے وہی قصیدہ سنا دیا، جس پر انہیں بہت حیرت ہوئی کہ ایف ایس سی کے ایک طالب علم کو نہ صرف صادق سرمد کے اشعار سے شناسائی ہے بلکہ وہ ان کے علامہ اقبال کی بابت افکار و اشعار سے کافی حد تک باخبر ہے۔ آہستہ آہستہ آپ سے بہت کچھ معلوم ہوتا گیا۔ آپ کی کتب ''رومیٔ عصر'' (علامہ اقبال کے بارے میں فارسی میں لکھی گئی پہلی کتاب جو کسی غیر ایرانی نے لکھی اور ریکارڈ تعداد میں شائع ہوئی) ''اقبال ایرانیوں کی نظر میں'' ''گفتہ ہائے رومی و اقبال'' اور بعد کی کتب ''اقبال ایران'' اور ''اقبال عرفانی'' پڑھیں تو معلوم ہوا کہ آپ (جناب عرفانی مرحوم) ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اقبال کو ایران میں متعارف کروانے میں زبردست کردار ادا کیا ہے اور اس میں سب سے اہم رول آپ کا ہی رہا ہے۔

لاہور میں قیام کے دوران خانۂ فرہنگ ایران کے توسط سے اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے اساتذہ کے ذریعے مزید معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک چیز پوری طرح واضح ہو گئی کہ اقبال اس وقت تک ایران کے کونے کونے میں اقبال لاہوری کے نام سے متعارف ہو چکے تھے اور آپ کے افکار وہاں پر خاص و عام کی زبان پر تھے۔ اقبال پر مختلف مجلّات کے خصوصی شمارے چھپ رہے تھے۔ علامہ اقبال پر لکھی گئی کئی ایک فارسی کتب بھی اس چیز کا مظہر تھیں۔ اسی طرح ایران میں فارسی ادب کی کتب، جو سکول میں پڑھائی جاتی تھیں ان میں کلامِ اقبال کو زبردست اہمیت دی جاتی تھی۔ پھر ۱۹۷۷ء میں لاہور میں علامہ اقبال کے سو سالہ یومِ پیدائش پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ راقم الحروف کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھ رہا تھا اور ایم اے فارسی (پہلی پوزیشن میں) پنجاب یونیورسٹی سے (تھرڈ ائیر ایم بی بی ایس میں) پاس کرنے کے بعد پی ایچ ڈی فارسی کے لئے رجسٹر ہو چکا تھا اور ایران کے خانۂ فرہنگ، کلچرل کونسل اور مرکز تحقیقات ایران و پاکستان سے شناسائی پیدا ہو چکی تھی اور راقم کا فارسی نظمیں بھی ایران کے مجلّات میں شائع ہو چکی تھیں۔ علاوہ بریں خانۂ فرہنگ ایران لاہور کی تقریبات میں فارسی نظمیں پیش

کرتے کرتے ایک حد تک پاکستان میں فارسی دان طبقہ میں شناسائی پیدا ہو چکی تھی۔ مزید
راں ایران کے کچھ علمی حلقوں سے روابط بھی قائم ہو چکے تھے۔ ان دنوں پاکستان میں
یران کے کلچرل کونسلر پروفیسر جعفر مجوب تھے جو تہران کے فارسی ادب کے اساتذہ میں
متاز ترین تھے اور جناب عرفانی مرحوم کے دوست جناب حسین خطیبی کے شاگردوں میں
ے تھے۔ ڈاکٹر مجوب سے خط و کتابت شروع کی تو آپ نے میری فارسی نثر کو سراہتے
وئے راقم الحروف کو ملاقات کا شرف بخشا اور پھر یہ ملاقاتیں مستقل علمی روابط میں
مل گئیں۔ ان ہی کے ذریعہ میں ایران کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوا۔

بات علامہ اقبال کانفرنس کی ہو رہی تھی' اس میں شرکت کے لئے ایران سے جو
انشور تشریف لائے ان میں مشہد یونیورسٹی کے چانسلر جناب جلال متینی اور ایران کے
ہور صحافی (رکن سینٹ) جناب سیف اللہ وحید نیا (مدیر مجلّہ وحید تہران) بھی شامل تھے۔
اب جعفر مجوب کے توسط سے ان لوگوں سے ملاقات ہوئی اور فارسی میں مختلف ادبی
ضوعات پر بات چلتی رہی۔ ان لوگوں نے ایران آنے کو کہا اور جناب وحید نیا نے مجلّہ
ید تہران کا پاکستان میں نمائندہ بھی نامزد کیا اور بعد میں ایک آدھ رپورٹ بھی بھجوائی جو
ے میں چھپی۔ ان زعماء سے بات کر کے معلوم ہوا کہ گویا اقبال بھی ایران اور پاکستان
ں رابطے کی ایک مضبوط کڑی کا کام دے سکتے ہیں۔

اگلے برس فروری ۱۹۷۸ء میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب یونس سیٹھی
کوششوں سے وہاں پر مولانا رومؒ پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ راقم الحروف کو
ں بہترین مقالہ پیش کرنے پر صدر فضل الٰہی چوہدری سے طلائی تمغہ عطا ہوا اور مزید
انی زعماء اور شعراء و ادباء سے ملاقات ہوئی اور ایک بار پھر ایران آنے کی دعوت
۔ فورتھ ائیر ایم بی بی ایس کا امتحان دیتے ہی اور گرمیوں کی تعطیلات کا سہارا لیتے ہی
ان کا عزم کیا۔ سرکاری دعوت نامہ حکومت ایران کا بھی تھا اور جناب عرفانی کے
نی خطوط بھی تھے ـــــ اور عرفانی بھی وہ جو کہا کرتے تھے ؎

بودہ ام من رابطِ مہر و ولا

درمیان دوستان باصفا

آرزو می داشتم گردد یکی
کشورِ اقبال و بومِ مولوی

(میں صاف دل دوستوں میں محبت اور دلی تعلقات کا رابطہ استوار کرتا رہا ہوں اور میری خواہش یہی تھی کہ کشورِ اقبال یعنی پاکستان اور بومِ مولوی یعنی مولانا روم کی سرزمین، جس سے مُراد خراسانِ بزرگ سے لے کر ایران اور ترکی شامل ہیں، ایک ہو جائیں۔)

ایران میں میری پہلی منزل مشہد تھی۔ یہاں پر دو تقاریب ہوئیں، ایک پاکستانی قونصل خانے نے مجھے بلایا اور ایران میں اردو پڑھنے والے طلبہ کو چائے کی پارٹی دی۔ وہاں پر بھی کلامِ اقبال کے حوالہ سے بات چلی اور دلی روابط کا ذکر ہوا۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ اقبال کی فکر کو ایرانی اور خصوصاً اہل خراسان اپنا چکے ہیں اور ہمارے پاس شاید فکرِ اقبال کا بہت کم حصہ رہ گیا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی ایک آدھ غزل سنائی جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؂

مرگ را در پیش گاہش رہ نمی باید گہی
آنکہ بہر دیگراں خونِ جگر می افگند
پا بہ جا خونِ سیاووش است وماند جاوداں
زندہ گردد ہرکہ خود را در خطر می افگند

(موت کو اس عظیم انسان کے دربار تک رسائی نہیں ہو پاتی جو دوسروں کی زندگی کے لئے اپنے خونِ جگر کو نچھاور کر دے۔ خونِ سیاووش آج بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اور وہ شخص امر ہو جاتا ہے جو دوسروں کے لئے خطرات میں کود پڑتا ہے۔)

سیاووش قدیم اساطیری عہد کا ایران کا ہیرو تھا جس نے قوم کے لئے قربانی دی تھی اور آج بھی ایران میں ایک خوبصورت پھول کو خونِ سیاووش کا نام دیا جاتا ہے۔ صائب تبریزی کی پیروی میں لکھی گئی یہ غزل انقلابیوں نے اچک لی اور اس کی بازگشت دور دور تک سنائی دیتی رہی۔ پھر علامہ اقبال کے حوالہ سے بات ہوئی تو ایرانی نوجوانوں نے حیرت سے پوچھا کہ اس عظیم مفکر کے ملک کے لوگ اس کے افکار سے بے بہرہ کیوں ہیں اور اس

کی بات مان کر اپنے معاملات درست کرنے میں کوتاہی سے کام کیوں لے رہے ہیں؟

اگلے چند روز کئی ایرانی نوجوان گھروں میں کھانوں پر بلاتے رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اُن دنوں شاہ کے جبر و استبداد کا عروج تھا۔ طلبہ کی تمام سرگرمیوں پر پابندی تھی اور صرف نصابی سرگرمیوں کی اجازت تھی اور وہ بھی اس طرح کہ یونیورسٹی کے باہر ٹینک کھڑے رہتے تھے جن کی نالیوں کا رُخ تدریسی عمارات کی جانب تھا۔ دوپہر کے کھانے (جو یونیورسٹی کی طرف سے ملتا تھا) کے موقع پر گتے کے گلاس استعمال ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلے شیشے کے گلاس ہوتے تھے' اب اس خوف سے کہ کہیں طلبہ انہیں توڑ کر ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کرلیں' ان پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ طلبہ نے مل بیٹھنے کا ایک بہانہ یہ ڈھونڈا کہ ہمیں ایک دن فیکلٹی ادبیات کی کینٹین میں چائے پر چپکے سے بلالیا اور یہ کینٹین طلبہ اور طالبات (جو ابھی تک مغربی لباس میں ہی ملبوس تھیں) سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پوچھا گیا کہ کلامِ اقبال سے کچھ کہا جائے اور کچھ سنا جائے؟ تو علامہ اقبال کی اس غزل کا خیال آیا ؎

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادئ دُور و دراز آید بروں

(وقت کا خضر پھر حجاز مقدس کے صحرا سے ہماری جانب بڑھ رہا ہے اور پھر قافلوں کے قافلے اس دور دراز وادی سے باہر آرہے ہیں۔)

اس سے یہ مُراد لی گئی کہ نااُمیدی کی رات ختم ہونے کو ہے اور اُمید کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔ لیکن ہماری امیدوں کا مرکز وہی مکہ و مدینہ کے حرم ہیں اور وہی قافلہ ہائے شوق ہیں جو ان وادیوں سے ابدیت کا پیغام لے کر اس ملک (ایران) کی جانب بڑھ رہے ہیں

من بسیمائے غلاماں فرِّ سلطاں دیدہ ام
شعلۂ محمود از خاکِ ایاز آید بروں

(میں نے غلاموں کے چہروں پر بادشاہی کا جلال دیکھ لیا ہے اور آج پھر ایاز کی مٹی سے محمود کے شعلے اُٹھ رہے ہیں)

مشہد خراسان میں واقع ہے اور محمود کو شاہ خراسان کہا جاتا تھا۔ اس نسبت سے مفہوم یہ

واضح کیا گیا کہ آج غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے والی ہیں اور آپ لوگ جو خود کو مجبور و مقہور محسوس کر رہے ہیں آپ کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے' لیکن اس مٹی سے وہ شعلے لپک رہے ہیں جن کی آب و تاب مستقبل کا نور ہو گا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(مدتوں تک زندگی کعبے اور بت خانے میں آہ و زاری کرتی رہتی ہے' پھر کہیں محفل شوق سے کوئی ایک آدھ رازدان نظر آہی جاتا ہے۔)

اس سے مُراد یہ لی گئی کہ وہ پختہ کار رہنما جو قوم کی تقدیر بدل کے رکھ دیتا ہے اس کے ظہور سے پہلے قوموں کو بہت انتظار کرنا پڑتا اور ارتقاء کے عمل میں بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں ؎

طرح نو می افگند اندر ضمیرِ کائنات
نالہ ہا کز سینہ اہل نیاز آید بروں

(وہ نالے جو نیاز مند مجبوروں کے دلوں سے اٹھتے ہیں وہ تو کائنات کے ضمیر میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیتے ہیں)

اس سے انقلابی نوجوانوں کی جد و جہد مُراد لی گئی ؎

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ ام خون گشت واز رگہای ساز آید بروں

(میرے ہاتھوں سے سارنگی واپس لے لو کہ میرا کام پورا ہو گیا۔ میرا نغمہ تو خون بن کر خود بخود ساز کی رگوں سے ابل پڑا ہے۔)

اس سے مُراد لی گئی کہ بقول اقبال میری کوششیں بار آور ثابت ہو گئی ہیں اور اب میرے نغمات خود بخود ابل رہے ہیں' یعنی ہر شخص میرا ہم آواز بن گیا ہے۔

اس غزل کے بعد علامہ کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

(زمانے نے پرانے بتوں کو ہزار بار مختلف انداز سے سجایا ہے۔ لیکن میں نے حرم
پاک کو نہیں چھوڑا کہ اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں)

اس سے مُراد یہ لی گئی کہ اسلام ہی مستقبل کا دین ہے اور ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کے آثار ہمارے لئے عبرت کا سامان تو ہیں فخر و مباہات کے مراکز قطعاً نہیں۔ اس غزل کی وضاحت میں دبے دبے الفاظ میں وہ کچھ کہا جو حاضرین سننا چاہتے تھے۔

پھر تہران جانا ہوا تو بھی روابط جاری رہے۔ ایک دن (غالباً مئی یا جون ۱۹۷۸ء کی بات ہے) طلبہ اور شاہ کی فورس میں زبردست مقابلہ ہوا اور یونیورسٹی کی سڑکیں میدانِ کارزار بنی رہیں۔ پھر یونیورسٹی کے ایک حصہ پر طلبہ نے قبضہ کرلیا۔ مجھے طلبہ اپنے زیر انتظام حصے میں زبردستی لے گئے اور وہ ہال دکھایا جو ان کی انقلابی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس کی بڑی دیوار پر تین تصاویر (پنسل سے بنائے ہوئے اسکیچ) آویزاں تھے۔ درمیان میں علامہ اقبال کی تصویر تھی، جس کے ایک طرف حضرت سید جمال الدین افغانی اور دوسری طرف ایک ناشناسا سی تصویر تھی (بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آیت اللہ خمینی کی تصویر تھی)۔ علامہ اقبال کی تصویر کے نیچے درج تھا "مولانا محمد اقبال لاہوری بزرگ ترین فیلسوفِ جہانِ اسلام" (عالم اسلام کے سب سے بڑے مفکر) اور علامہ کی رباعی درج تھی ؎

ساحل افتادہ گفت ، گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موجے زخود رفتہ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

(ایک بوسیدہ ساحل نے کہا کہ اگرچہ ایک طویل عرصہ سے میں موجود ہوں اب
تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو پایا کہ میں کیا ہوں۔ اس کے جواب میں ایک مست لہر
اٹھی اور تیزی سی چلتی ہوئی کہہ گئی کہ میں اگر چلوں تو ہوں اور اگر رُک جاؤں تو
کچھ بھی نہیں!)

طلبہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو اس لئے لایا گیا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ اقبال کے وطن اور شہر (لاہور) سے آئے ہیں۔ آپ گواہ رہنا کہ ہم جس انقلاب کے لئے جدوجہد کر

رہے ہیں وہ فکر اقبال کا مرہون منت ہے۔

تہران میں اور بھی کئی مواقع پر معلوم ہوا کہ اقبال کی فکر دلوں پر گہرا اثر رکھتی ہے اور تقریباً ہر علمی اور سماجی محفل میں علامہ اقبال کے افکار پر بحث ہوتی رہی۔

پھر اصفہان' شیراز اور تبریز جانا ہوا اور یہی سلسلہ چلتا رہا۔ اقبال کے وہ اشعار زبان پر آئے جو ان شہروں کی بابت ہیں' مثلاً ؎

مطرب غزلی بیتی از مرشدِ روم آور
تا غوطه زند جانم در آتشِ تبریزی

(اے نغمہ خواں! مولانا روم کی غزل کا شعر سنا تاکہ میری جان تبریز کی آگ میں غوطے لگائے)

یہاں پر مولانا روم کی حضرت شمس تبریزی سے معنوی عقیدت کی جانب اشارہ ہے ؎

آتش اندر دلِ شیراز وصفاہاں زده ام

(یعنی میں نے شیراز اور اصفہان کے دلوں میں آگ لگادی ہے)

یہاں پر بھی ہر جانب فکر اقبال کی چھاپ نظر آئی۔ علامہ اقبال کے کلام کے مقامی ایڈیشن نظر آئے۔ تہران میں خیابان مولانا محمد اقبال لاہوری (علامہ اقبال روڈ) اور مختلف مقامات پر اقبال کے نشانات نظر آئے۔ واقعی آپ نے شیراز' اصفہان اور تبریز میں فکری اور معنوی اعتبار سے آگ لگادی تھی اور آپ کی یہ حسرت پوری ہونے کو تھی ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِلِ ایران وہی تبریز ہے ساقی

سامراجیت اور بادشاہت اپنے اختتام کو تھی اور جبر و استبداد کے دامن سے آزادی پھوٹ رہی تھی' صفویت کے ظالمانہ اور جابرانہ تفکرات ختم ہونے کو تھے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افکار پر مبنی ایک نظام کی ابتداء ہونے کو تھی جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا ؎

دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس دور میں تعبیر بدل جائے

تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

کچھ عرصہ کے بعد خاک و خون میں ڈوبے ہوئے ایران کو چھوڑا اور حالات کی سنگینی کے پیش نظر ایران کو خیرباد کہا۔ ابھی تک تخت طاؤس پر بادشاہ وقت متمکن تھا اور وہ خود کو آریامہر، ظل الٰہی اور بادشاہوں کا بادشاہ کہلانے پر مصر تھا۔ مگر بقول اقبال

ع لا سلاطین ' لا ملوک و لا اِلٰہ

اور ؎

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں ہے نمود اس کی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

اب وہ وقت گزر گیا۔ اِمتدادِ زمانہ سے مئی ۱۹۹۰ء میں جب ایران جانا ہوا تو تہران میں اترتے ہی معلوم ہوا کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ سڑکوں کے نام بدل چکے تھے' تہران تین گنا بڑا ہو چکا تھا۔ مغربی تہذیب اپنا دامن لپیٹ چکی تھی' خواتین حجاب میں تھیں اور اکثر مرد حضرات کے چہرے پر داڑھی کی نورانیت تھی۔ صرف چند پرانی سڑکیں' عمارات اور زبان وہی تھی۔ فارسی میں عربی کے کلمات اور اصطلاحات پھر سے داخل ہو گئے تھے۔ جس ترکیب میں "شاہ" کا لفظ استعمال ہوتا تھا وہ بھی بدل چکی تھی' مثلاً شاہراہ' اب "بزرگراہ" تھی' شاہ سوار بھی "بزرگ سوار" ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اصحابِ کہف کی طرح صدیوں کے بعد بیدار ہوا ہوں۔ بقول اقبال ؎

باش تا بینی کہ بے آوازِ صور
ملّتی بر خیزد از خاکِ قبور

(تھوڑی دیر انتظار کر اور دیکھ کہ صورِ اسرافیل کے بغیر بھی ایک قوم قبروں کی مٹی سے کفن پھاڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔)

اب ہم جہاں بھی گئے لوگوں نے دکتر فاضل (یعنی پڑھا لکھا ڈاکٹر) کہنا شروع کر دیا اور اِرد گرد جمع ہونے لگے۔ یار لوگوں کو غصہ آیا کہ ایران آتے ہی ایک ڈاکٹر صرف پڑھا لکھا رہ گیا ہے اور باقی تمام کے تمام جاہل ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں جناب حسن حبیبی (نائب

صدر جمہوریہ) کی اہلیہ تشریف لائیں تو ذکر اقبال ہوا' اگر پارلیمنٹ کے ارکان آئے تو انہوں نے اقبال کے اشعار پڑھے اور غرض ایک عام شخص بھی آیا تو اس کی زبان پر اقبال کا نام تھا۔ ہمیں فکری ہم آہنگی' لسانی مماثلت اور سوچوں کا اشتراک ہی نظر آیا اور ملک الشعراء بہار کے وہ اشعار یاد آئے ؎

درود باد بروحِ مطہرِ اقبال
کہ بود حکمتش آموزگارِ پاکستان
(اقبال کی پاک روح پر رحمتیں ہوں کہ جس کی دانائی پاکستان کی رہنما بن گئی)
جدا نبود و نباشد ملّتِ ایران
زطبع و خُوی و شعار و دثارِ پاکستان
(ایران کی قوم عادات و اطوار اور افکار یا لباس کے معاملہ میں پاکستان کی قوم سے نہ کبھی مختلف رہی ہے اور نہ ہی کبھی مختلف ہو گی)
گماں مبر کہ بود بیشتر ز ایرانی
کسی بہ رُوی زمیں دوستدارِ پاکستان
(یہ کبھی بھی نہ سوچنا کہ روئے زمین پر ایرانی قوم سے بڑھ کر کوئی اور قوم پاکستانیوں کی زیادہ دوست ہو سکتی ہے)

اب لوگوں نے دیکھا کہ میں مولانا محمد اقبال لاہوری کے اشعار و افکار سناتا تو ایرانی نوجوان سر جھکائے احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ ہمارے ایک بزرگ میری زبانی بار بار مولانا محمد اقبال لاہوری کا نام سنتے تو بالآخر پریشان ہو کر کہنے لگے یار یہ بتاؤ یہ لاہور کا کونسا مولوی تھا جو یہاں بہت ہی مشہور ہے' ہمیں تو اس کا پتہ بھی نہیں' تو بتانا پڑا کہ یہ مولوی وہ ہے جسے ہم بطور مولوی پہچان ہی نہیں پائے اور آپ ہیں علامہ اقبال۔

گیلان سے تہران واپس آئے تو سفارت خانہ کی جانب سے ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام ہوا جس میں سفارت خانہ کے حکام کے علاوہ بااثر ایرانی احباب کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس کے بعد ناچیز کو "علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں پاکستان اور ایران کے روابط" کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی جس کا پیغام پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ میں نے کسی

ایرانی شاعر(نام یاد نہیں) کے یہ شعر پڑھے ؎

تاجہان باقیست تا خورشید و مہ تابندہ است

بینِ پاکستان و ایران دوستی پائندہ است

(جب تک یہ دنیا قائم و دائم رہے گی اور جب تک چاند سورج چمکتے رہیں گے
پاکستان اور ایران کے مابین دوستی قائم رہے گی)

آفریں بر خلقِ پاکستاں کہ با اقبال خویش

چشمۂ اندیشہ ای دارد کہ خوش زایندہ است

(پاکستان کے عوام پر آفرین ہے کہ اس کے پاس اقبال کی صورت میں افکار و
تصورات کا وہ سرچشمہ موجود ہے جو ہمیشہ جاری و ساری رہے گا)

پھر علامہ اقبال کے اشعار و افکار کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ بارہ برس کے طویل عرصہ کے بعد تہران میں انہی خیالات کی بازگشت تھی جو دوبارہ سنائی دے رہی تھی۔ ملوکیت' جبر و استبداد' ذہنی غلامی' حیلہ و تزویر اور مکر و ریا پر مبنی ایران کے صدیوں سے قائم بوسیدہ نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے ملت ایران کے اس جذبہ کی داد دی جس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور پھر یہ رباعی سنائی ؎

مسلمانے کہ داند رمزِ دیں را   نساید پیش غیر اللہ جبیں را
اگر گردون بکامِ او نہ گردد   بکامِ خود بگرداند زمیں را

(وہ مسلمان جسے دین کے راز کا علم ہے وہ کسی غیر کے سامنے اپنی پیشانی نہیں رگڑا کرتا۔ اگر آسمان اس کی مرضی کے مطابق گردش نہ بھی کرے تو وہ زمین کو تو اپنی مرضی کے مطابق گردش میں لے ہی آتا ہے)

فضا میں سکوت طاری تھا اور دیر تک ان لوگوں کا تذکرہ ہوتا رہا جنہوں نے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں یا اس سے بھی پہلے علامہ اقبال کو یہاں عام کیا تھا۔ جناب محیط طباطبائی' پروفیسر سعید نفیسی اور ملک الشعراء بہار کا ذکر چلا اور حضرت عرفانی مرحوم کی یادیں تازہ ہوئیں۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق جیسے عظیم ایرانی شاعر نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کے آغاز میں کیا خوب کہا تھا ؎

آنکہ اقدامِ مقبلاں کردہ   شعر اقبال را بیاں کردہ
دفتر خویش از گل عرفان   پاک محسود گلستاں کردہ

مسلکِ عارفانِ ایراں را بہرِ پیر و جوان عیاں کردہ
شاعرِ دلنشینِ پاکستان پیش صاحب دلان نشاں کردہ
گر پرسی زنامِ اُو کہ چنیں کارِ نیکی درین زماں کردہ
من نمی گویمت تو خود دانی خواجہ عبدالحمید عرفانی

(وہ شخص جس نے عظیم لوگوں والا کام کیا یعنی اقبال کے اشعار کو بیان کیا۔ علم و عرفان کے پھولوں سے اپنی بیاض اس قدر بھر کے رنگین کر دی کہ وہ باغ و گلستان کا رشک بن گئی۔ اس نے ایران کے صوفیاء کے مسلک کو جوانوں اور بوڑھوں کے سامنے پیش کیا۔ دل والوں کے حضور پاکستان کے شیریں بیان شاعر کو متعارف کرایا۔ وہ شخص جس نے اس زمانے میں نیکی کا وہ کام کیا ہے اگر اس کا نام پوچھنا چاہو تو میں کچھ نہیں بتاتا' آپ خود جانتے ہیں اور وہ ہیں خواجہ عبدالحمید عرفانی)

پھر ایران جاکر دوستانِ باصفا کے حضور وہ قصہ چھیڑنے کی پھر آرزو ہے۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

(۱) دینی گھرانے سے تعلق رکھنے والی لیڈی ڈاکٹر (ایم بی بی ایس 98ء) کیلئے دینی مزاج کے حامل شرفاء کے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی قید نہیں' تاہم ڈاکٹر کا رشتہ قابل ترجیح ہوگا۔ برائے رابطہ : حافظ عاکف سعید 'مدیر میثاق' 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲) ایم ۔ اے پاس' 22 سالہ دوشیزہ' پٹھان فیملی' (ریٹائرڈ پروفیسر کی بیٹی) کے لئے ترجیحاً فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے موزوں رشتہ کی تلاش ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔
رابطہ : معرفت انجمن خدام القرآن فیصل آباد' پی 157 صادق مارکیٹ ریلوے روڈ

(۳) رفیق تنظیم حلقہ پنجاب شمالی کی ہمشیرگان کے لئے رشتے درکار ہیں' جن کا تعلق شور کوٹ کینٹ کے زمیندار گھرانے سے ہے اور ارائیں خاندان سے ہیں۔ ایک بچی کی عمر 21 سال تعلیم مڈل جبکہ دوسری کی عمر 19 سال اور تعلیم ایف اے ہے۔ دونوں دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہیں اور امورِ خانہ داری سے بخوبی واقف ہیں۔ ذات پات کی قید نہیں۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔
رابطہ : ابو عمران۔ دفتر تنظیم اسلامی' حلقہ پنجاب شمالی
20۔ سلطان سٹریٹ' فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 4/8-9 اسلام آباد

امیر تنظیم اسلامی کی جانب سے
جانشین کی نامزدگی کا اعلان اور اس کا پس منظر

مرتب کردہ : عطاء الرحمٰن خان' شکاگو (امریکہ)

امیر تنظیم اسلامی نے اپنے جانشین کی نامزدگی کا اعلان فروری ۹۸ء میں کیا تھا۔ تنظیم کے ملتزم رفقاء کی اکثریت اس فیصلے کے پس منظر اور اس کے لئے مشاورت کے ان تمام سابقہ مراحل سے بخوبی واقف ہے جن سے گزر کر یہ فیصلہ ہوا اور اس کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ تاہم تنظیم کے بہت سے دیگر رفقاء واحباب کی ایک بڑی تعداد اس سارے پس منظر سے ناواقف تھی۔ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر محترم عطاء الرحمٰن نے شمالی امریکہ کے رفقاء کو اس اہم فیصلے کے پس منظر سے آگاہ کرنے کے لئے ایک مختصر تحریر مرتب کی ہے جسے افادۂ عام کی خاطر ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۴/ فروری ۱۹۹۸ء کو لاہور میں رفقاء کے ایک خصوصی اجتماع میں اپنے بعد آنے والے تنظیم کے امیر کی نامزدگی کا اعلان کیا تھا۔ امیر محترم اُس وقت اپنی عمر کے 66 برس تقریباً مکمل کر چکے تھے۔ عمر رسیدگی اور بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر چند سال پہلے سے انہوں نے تنظیم کے آئندہ امیر کے معاملے میں سوچ بچار شروع کر دیا تھا۔ تنظیم اسلامی کے دستور کی رُو سے انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اگلے امیر کی نامزدگی کا اعلان کریں یا اس معاملے کو مرکزی شوریٰ پر چھوڑ دیں کہ وہ ان کے بعد نیا امیر منتخب کر لے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ آئندہ جو بھی امیر تنظیم مقرر ہوں گے تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان کی بیعت کریں گے۔ محترم ڈاکٹر صاحب مسلسل اس چھان پھٹک میں لگے ہوئے تھے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت تنظیم کے حق میں بہتر ہو سکتی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے جو بھی فہم حاصل کیا ہے اس کی روشنی میں انہوں نے تنظیم قائم کرنے میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا ہے' لہٰذا قدرتی طور پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد کم از کم فوری طور پر تنظیم اپنا رُخ تبدیل نہ کر لے' کیونکہ ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی ادارے کا بانی رخصت ہوا تو اس ادارے نے بھی دوسرا کوئی راستہ چن لیا۔ بہرحال جیسا کہ ہم جانتے ہیں' ہمارے ذمہ صرف کوشش کرنا ہے' اختیار کل کا کل اللہ کا ہے' اللہ چاہے گا تو تنظیم اپنے صحیح رُخ پر قائم رہے گی۔

سوچ بچار کا آغاز

اپریل ۱۹۹۵ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس میں امریکہ

اور ابو ظہبی سے بھی رفقاء نے شرکت کی تھی۔ اجتماع کا ایک اہم مقصد تنظیم کے موجودہ طریق کار اور امیر تنظیم کی نامزدگی پر غور کرنا اور اس بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ جو تجاویز مرتب کی گئیں وہ یہ تھیں :

۱) تنظیم میں شمولیت کیلئے بیعت کا جو نظام اختیار کیا گیا ہے اسے جاری رکھا جائے اور جب تنظیم کے نئے امیر چارج سنبھالیں تو تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان سے بیعت کریں۔

۲) تنظیم کے اگلے امیر کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑنے کی بجائے امیر محترم اپنی زندگی میں ان کے نام کا اعلان کریں۔

اجتماع کے دوران امیر محترم نے نائب امیر تنظیم کا تقرر کیا جو اُن کے بیرونی سفر کے موقعہ پر امیر تنظیم کے طور پر بھی خدمات انجام دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ امیر تنظیم کی نامزدگی کا معاملہ الگ طور پر طے کیا جائے گا۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اگست ۱۹۹۵ء میں شوریٰ کے اجلاس میں بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی تنظیم کے اگلے امیر کی نامزدگی کا سوچا ہے، لیکن نام کا اعلان کرنے کی بجائے ان کا خیال ہے کہ اس کی وصیت تحریر کر دیں اور بعد میں کسی وقت اگر ضرورت محسوس ہو تو وصیت میں درج نام تبدیل بھی کر سکیں۔ آپ نے اس پر شوریٰ کے اراکین کی رائے طلب کی اور ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کیا۔

اپریل ۱۹۹۶ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا دوسرا سالانہ مشاورتی اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں بھی رفقاء کو امارت کے مسئلے پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ بڑی تفصیل سے اس پر گفتگو ہوئی۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں تیسرے سالانہ اجتماع کے دوران امیر محترم نے بتایا کہ صحت کی خرابی اور بالخصوص گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باعث وہ تنظیم کی امارت اب کسی اور شخص کے حوالے کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ رفقاء نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امیر محترم وصیت کی بجائے تنظیم کے آئندہ امیر کے نام کا باقاعدہ اعلان کر کے انہیں کچھ عرصہ اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اس دوران ان کی تربیت ہو جائے، لیکن امارت اپنے پاس ہی رکھیں۔ اجتماع کے بعد شوریٰ کے اجلاس میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی کہ آئندہ امیر کے نام کا اعلان کر دینا بہتر ہے۔ خود امیر محترم اگرچہ وصیت کے حق میں تھے تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ ملتزم رفقاء کی مزید آراء جاننے کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اسی سال ۳۱/۳۰ اکتوبر تا یکم نومبر ملتزم رفقاء کا اجتماع ہوا مگر اس میں بھی کم و بیش سابقہ آراء کا ہی اعادہ کیا گیا، جس پر اجتماع میں موجود رفقاء سے

ایک خفیہ بیلٹ کے ذریعے آئندہ امیر تنظیم کے نام کے بارے میں آراء طلب کی گئیں۔ نتیجے میں چھ نام سامنے آئے' حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج ذیل ہیں :

۱) چوہدری رحمت اللہ بٹر' ۲) ڈاکٹر عبدالخالق' ۳) عبدالرزاق قمر'
۴) ڈاکٹر عبدالسمیع' ۵) حافظ عاکف سعید' ۶) انجینئر مختار حسین فاروقی

ان چھ حضرات کو پہلے سے مرتب ایک سوالنامہ کی روشنی میں رفقاء سے خطاب اور ان کے سوالات کا جواب دینے کی دعوت دی گئی۔ (اس طریقے سے رفقاء کو ان چھ افراد کا تعارف حاصل کرنے اور ان کی تحریکی سوچ اور صلاحیت کو جانچنے کا کسی قدر موقع ملا۔)

بعد ازاں دسمبر ۱۹۹۷ء میں شوریٰ کے اجلاس میں اس پر غور ہوا۔ اس کے علاوہ رفقاء ذاتی طور پر بھی امیر محترم کو اپنی آراء اور تجاویز پیش کرتے رہے۔ آخر میں ماہ رمضان ۱۴۱۸ھ کے پہلے عشرہ میں محترم ڈاکٹر صاحب نے استخارہ کرکے اس بارے میں حتمی رائے قائم کی اور ۱۴/ فروری ۱۹۹۸ء کے خصوصی اجتماع میں اس کا اعلان کیا' جس کی رُو سے حافظ عاکف سعید کو تنظیم اسلامی کے آئندہ امیر کے طور پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے اس فیصلے میں جب بھی ضرورت محسوس کریں گے ترمیم و تنسیخ کرسکتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرتے وقت صرف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص اور تنظیم کے مستقبل کو ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بہت ہی نازک مرحلہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنے خاندان میں سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے سے کنی کترانا چاہتے تھے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ اہم تھی کہ محض اس وجہ سے کہ وہ میرا بیٹا ہے اسے اس معاملے سے باہر رکھنا جائز نہ ہوگا' لہٰذا ان کے لئے اس بارے میں فیصلہ کرنا بہت ہی کٹھن کام تھا۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر خاصا اطمینان ہوا ہے کہ تنظیم کے تمام رفقاء' خصوصاً سینئر رفقاء نے فیصلے کو بڑی خوشدلی کے ساتھ قبول کیا ہے جو تنظیم کے لئے بہت خوش آئند بات ہے۔ عزیزم عاکف سعید کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ اپریل ۱۹۹۷ء تک اس کا نام ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا (جس کی بڑی وجہ ان کی صحت سے متعلق بعض عوارض تھے جن کے پیش نظر میں نے اس سے پہلے انہیں consider نہیں کیا تھا۔) تب پہلی دفعہ ہمارے بزرگ رفیق' شیخ جمیل الرحمٰن نے اس جانب توجہ دلائی۔ انہوں نے مجھے ایک مفصل خط تحریر کیا جس میں بڑے پُرزور طریقے سے جانشین کے لئے عزیزم عاکف کا نام تجویز کیا گیا تھا۔ لیکن اُس وقت میں نے شعوری طور پر اس بات کو اپنے ذہن سے خارج کردیا تھا اور جولائی ۱۹۹۷ء میں جب میں امریکہ روانہ ہوا تو اسی شخص کے حق میں وصیت برقرار رکھی جو پچھلے کئی برسوں سے نامزد چلے آرہے تھے۔ لیکن اکتوبر ۱۹۹۷ کی رائے شماری میں چوتھے نمبر پر عزیزم عاکف کا نام دیکھ کر خود

مجھے بھی حیرت ہوئی' نیز اس موقعہ پر حافظ عاکف سعید نے جس طرح اپنے آپ کو پیش کرنے میں سادگی اور بے ساختگی کا مظاہرہ کیا وہ بھی میرے لئے خاصا متاثر کن تھا۔ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس نے اپنی صحت کے حوالے سے ان تکالیف کا صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے خاص طور پر ذکر کیا جو اس سے قبل صرف گھر والوں کے علم میں تھیں۔ چھ کے گروپ میں اپنے آپ کو سب سے کمتر ظاہر کر کے انہوں نے چاہا کہ تنظیم کی امارت کا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے لیکن بشمول دیگر باتوں کے ان کی یہ بات ان کی نامزدگی کے لئے اضافی خوبی کا درجہ اختیار کر گئی۔ چنانچہ اسی اجلاس میں جب دوبارہ رفقاء سے رائے لی گئی تو ان کے حق میں رائے دینے والے رفقاء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور متعدد حلقوں کے رفقاء نے اکثریتی طور پر ان کا نام ترجیح اول کے طور پر تجویز کیا۔ اس سے قبل جن چھ سینئر رفقاء نے امیر محترم کو اپنی تجاویز تفصیل کے ساتھ تحریراً ارسال کی تھیں' ان میں سے تین نے جانشینی کے لئے حافظ عاکف سعید ہی کا نام تجویز کیا تھا۔ اسی طرح جن چند رفقاء نے امیر محترم سے اس بارے میں خصوصی ملاقاتیں کی تھیں ان میں سے بھی دو نے عاکف کا نام پیش کیا۔ تاہم یاد رہے کہ فیصلہ کرتے وقت یہاں آراء کو گنا نہیں تولا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے عزیزم عاکف سعید کے معاملہ میں جو چیزیں زیادہ نمایاں ہیں وہ یہ ہیں :

☆ سترہ سال کی عمر میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور تنظیم کے تاسیسی اجلاس سے اس کے ساتھ وابستہ ہوئے۔
☆ بچپن ہی سے امیر محترم کے دروسِ قرآنی اور خطابات میں شرکت رہی ہے۔
☆ دنیاوی تعلیم میں فلسفہ میں ایم۔اے کیا ہے۔
☆ حافظ قرآن ہیں اور بغیر کسی کی ترغیب و تشویق کے خود اپنے شوق اور جذبہ سے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حفظ کیا ہے۔
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کی ادارت کی ذمہ داری بڑے عرصے سے خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔
☆ انہیں تنظیم کا پورا فکر خاص طور پر از بر ہے۔
☆ قرآن مجید کے خوبصورت قاری ہیں۔
☆ مسجد دار السلام میں جمعہ کی نماز اکثر وہی پڑھایا کرتے ہیں۔
☆ ایک اچھے مدرس' ذہین' متحمل اور معاملہ فہم نوجوان ہیں۔

اجتماع کے آخر میں رفقاء نے بالعموم اور نامزدگی کی فہرست میں شامل بقیہ پانچ حضرات نے بالخصوص امیر تنظیم کے اس فیصلہ کو سراہتے ہوئے حافظ عاکف سعید کے ساتھ اپنے بھرپور تعاون اور حمایت کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

قرآن اکیڈمی لاہور میں
خلاصۂ مباحث قرآن کا رُوح پرور پروگرام

مرتب : فرقان دانش خان

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا نے قید سے رہائی کے بعد ایک بار علماء کے مجمع میں ایک اہم بات ارشاد فرمائی :

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے : ایک ان کا قرآن کا چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے' بچوں کے لئے (قرآن کی) لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کئے جائیں۔ جبکہ بڑوں کو "عوامی درس قرآن" کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے"۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ پر یہ حکیمانہ اضافہ فرمایا کہ :

"غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا نتیجہ ہے۔"

یہ آج سے تقریباً ۳۵ برس پہلے کی بات ہے جب ایک شخص نے شیخ الہندؒ کی اس تشخیص کو گرہ سے باندھ لیا اور اس بات کو حرزِ جان بنا کر لاہور کی مختلف مساجد میں تن تنہا درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کی آواز میں سوز بھی تھا اور تاثیر بھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مساجد میں دعوت و تبلیغ' خطبہ و وعظ غرضیکہ سب کچھ ہوتا تھا مگر درسِ قرآن نہیں ہوتا تھا۔ لوگ قرآن کو اجنبی اور اور غیر متعلق کتاب سمجھتے تھے۔ لیکن اُس شخص نے ہمت نہ ہاری۔ اس کی ایک ہی پکار تھی کہ قرآن مجید کو اللہ کی کتاب مانا جائے' اسے پڑھا جائے' اسے سمجھا جائے' اس پر عمل کیا جائے اور اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یہ شخص پیشے کے اعتبار سے جسمانی امراض کا ڈاکٹر تھا' لیکن خدائے ذوالجلال نے اسے انسانوں کے روحانی معالج کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ جی ہاں' اس شخص کا نام ڈاکٹر اسرار احمد ہے' جسے آج دنیا خادمِ قرآن کی حیثیت سے جانتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو شرفِ قبولیت عطا کیا اور ایک بیٹھک سے شروع ہونے والے

درسِ قرآن نے مسجد خضراء سمن آباد' مسجد شہداء ریگل چوک اور جامع مسجد دارالسلام باغ جناح میں حقیقتاً "عوامی درسِ قرآن" کی شکل اختیار کرلی۔ درسِ قرآن کا یہ سلسلہ چھ برس جاری رہا۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر صاحب کو ہم خیال افراد ملتے گئے' جنہوں نے ایک قافلے کی صورت اختیار کی تو ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آگئی۔ یہ قافلہ اور آگے بڑھا تو ڈاکٹر صاحب نے قرآنی معاشرے کی تشکیل اور فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کیلئے ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" کے نام سے ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں آپ نے انجمن خدام القرآن کے صدرِ مؤسس کی حیثیت سے ۱۹۷۶ میں قرآن اکیڈمی اور ۱۹۸۷ء میں قرآن کالج بھی قائم کردیا۔ اس طرح محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے حضرت شاہ ولی اللہ' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا محمود حسن' علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کی تکمیل کر کے خود کو ان حضرات کا حقیقی وارث ثابت کردیا۔ یہ سفر جاری رہا اور رجوع الی القرآن اور تعلیم و تعلّم قرآن کی اس تحریک کا حلقہ اندرونِ ملک پھیلتے پھیلتے بیرونی دنیا میں بھی وسیع ہوگیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ اللہ کی رحمت سے اُمت کا ایک بڑا طبقہ قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کہیں قرآن کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں' کہیں فہم قرآن کے حلقے قائم ہونے لگے۔ آج اگر کہیں قرآن کے نام سے کوئی محفل منعقد ہوتی ہے یا کوئی ادارہ قائم ہوتا نظر آتا ہے یا کہیں درسِ قرآن کا غلغلہ ہے تو اکثر و بیشتر ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک رجوع اِلی القرآن کے شجرہی کا کوئی ثمر یا برگ وبار ہے۔

اسی تحریک کے زیرِ اثر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آج سے پندرہ برس قبل جامع القرآن' قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں قرآن پاک کو ہر چار رکعت نماز تراویح سے پہلے سمجھنے سمجھانے کا ایک منفرد سلسلہ شروع کیا' جو شروع شروع میں ایک نئی بات ہونے اور رات کو دو تین بجے تک جاگنے کی مشقت کے باعث ناممکن العمل نظر آتا تھا۔ لیکن جلد ہی یہ سلسلہ نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی متعارف ہوگیا۔ آج آپ کے ۶۰ سے زیادہ شاگردانِ رشید ملک کے گوشے گوشے میں ہر سال انوار و برکات بھری ان محفلوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خود ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی گزشتہ کئی سالوں سے اس پروگرام کیلئے رمضان المبارک میں اندرون و بیرونِ ملک دوروں پر رہے۔ تاہم کئی سال کے وقفے کے بعد امسال پھر یہ سعادت اہل لاہور کے حصے میں آئی کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ اس بار ڈاکٹر صاحب کی صحت کے پیش نظر اس پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی تھی۔ وہ یہ کہ قرآن کے لفظ بہ لفظ ترجمہ و مختصر تشریح کے بجائے اس بار صرف رکوع بہ رکوع مباحث و مضامین قرآن کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یکم رمضان المبارک کو اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ "میں اس تبدیلی کیلئے اپنے رفقاء کے اصرار پر رضامند ہوا ہوں۔ لیکن میرا دل فی الحال اس تبدیلی کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں' کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ زائد نہیں ہے' اس کا ہر لفظ انسانیت کی رہنمائی کیلئے یکساں اہم ہے۔ تاہم ہوسکتا ہے اللہ خلاصہ مباحث قرآن کے اس پروگرام سے بھی کوئی خیر

بر آمد فرمادیں"۔

دراصل اس سے پہلے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام میں یہ ہوتا تھا کہ نمازِ تراویح کی ہر چار رکعت سے پہلے ان چار رکعتوں میں پڑھے جانے والے قرآن کا ترجمہ و تشریح بیان کی جاتی تھی اور یہ پروگرام رات گئے اختتام پذیر ہوتا' کہ شرکاء بمشکل سحری کے وقت تک اپنے گھروں کو پہنچ پاتے' لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ روز بروز مقبولیت پاتا گیا۔

اس سال خلاصہ مباحث قرآن کے پروگرام میں ڈاکٹر صاحب عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح کی پہلی آٹھ رکعت میں پڑھے جانے والے قرآن کے مضامین کا خلاصہ ایک گھنٹے میں بیان فرماتے۔ پھر آٹھ رکعتیں پڑھی جاتیں اس کے بعد اگلی بارہ رکعت میں پڑھے جانے والے قرآن کا خلاصہ بھی ایک گھنٹے میں بیان کیا جاتا۔ پھر بیس منٹ کا وقفہ ہوتا' جس میں انجمن خدام القرآن کی طرف سے شرکاء کو چائے پیش کی جاتی۔ وقفے کے بعد بارہ رکعت تراویح اور صلوٰۃ الوتر کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا' جبکہ پروگرام کے اختتام پر قریباً نصف گھنٹہ سوال و جواب کی نشست کیلئے مختص تھا۔ یوں یہ پروگرام ساڑھے سات بجے سے شروع ہو کر رات ساڑھے بارہ بجے اختتام پذیر ہوتا۔ پروگرام میں اختصار کے باعث یہ خیر بر آمد ہوا کہ رمضان کے پورے مہینے میں دھند اور شدید سردی کے باوجود لاہور کے دور دراز علاقوں اور قریبی شہروں سے بے شمار لوگ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بیسیوں میل سفر کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے روزانہ قرآن اکیڈمی آتے رہے۔ چنانچہ قرآن اکیڈمی کے کشادہ مسجد ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی اور جو لوگ ہال میں نہیں سما سکتے تھے ان کیلئے مسجد کے صحن میں ٹی وی کے ذریعے ترجمہ قرآن سے مستفیض ہونے کا اہتمام کیا جاتا۔ مسجد کے علاوہ الگ سے دو ہال خواتین اور چھوٹے بچوں کیلئے بھی تھے۔ یہ ہال بھی کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ جبکہ گاڑیوں کی پارکنگ سے مسجد کے ارد گرد علاقے میں گاڑیوں کا ایک شہر بس جاتا۔ اس کے علاوہ اس بار ایک بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ شرکاء میں زیادہ تر ڈاکٹر' انجینئر' افسران' پروفیسرز' اساتذہ' سرکاری ملازمین' تاجر اور خصوصاً نوجوانوں کی غالب اکثریت شامل تھی۔ جو اس بات کی عکاس ہے کہ معاشرے میں تعلیم یافتہ طبقے کا قرآن اور دین کے ساتھ شغف بڑھ رہا ہے۔ خصوصاً نوجوان جنہوں نے اپنے ارد گرد کفر و الحاد اور مادہ پرستی کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا' جن کے دَور میں مایوسی اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ لوگ بے روزگاری اور مفلسی کے ہاتھوں خود سوزی اور خود کشی جیسے فعل حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں' اس پروگرام میں ان کی اس قدر دلچسپی دیکھنے میں آئی کہ دل کہتا تھا کچھ ہونے والا ہے اور مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی انقلاب کی منزل اب دُور نہیں۔ یوں لگتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے قیامت سے پہلے روئے ارضی پر جس غلبہ اسلام کی نوید سنائی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت بہت قریب ہے۔

اس پروگرام میں نماز تراویح میں امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نوجوان بھتیجے حافظ عبد اللہ محمود نے ادا کئے' جو سول انجینئر ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ نے جہاں انہیں خوبصورت آواز سے

نوازا وہاں انہوں نے قرآن کو حکم الٰہی کے مطابق ترتیل سے پڑھنے کا مقدور بھر حق ادا کردیا۔ شرکاء نے ان کی قراءت اور اندازِ تلاوت کو بے حد پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی آواز اور صحت کو یونہی قائم و دائم رکھے اور انہیں قرآن کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نمازِ تراویح میں قرآن حکیم کو سمجھنے کا یہ پروگرام بلاشبہ اس حدیث نبوی ؐ کی صحیح تعبیر ہے جس میں ماہ رمضان میں تزکیہ نفس کیلئے دن کا روزہ اور رات کو قرآن کے ذریعے قیام کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ دن میں اگر روزہ سے نفس انسانی مختلف معنوی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے تو رات کو قرآن کے ذریعے احتساب سے روح کو غذا اور تقویت ملتی ہے۔ تاہم یہ جبھی ممکن ہے جب قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ جس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ ہر مسلمان اتنی عربی سیکھ لے کہ قرآن پڑھتے یا سنتے ہوئے بغیر کسی ترجمہ کی مدد کے اسے سمجھتا چلا جائے۔ یا دوسری شکل یہ ہے جس کی "طرح" رمضان المبارک میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ڈالی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس خلاصہ مباحث قرآن کے چند بنیادی نکات یہ تھے :

- مؤمن کی زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہئے۔
- ایمان دو قسم کے ہیں' اقرار باللسان سے آدمی صرف اسلام کے قانونی پہلو سے مسلمان مانا جاتا ہے' جبکہ تصدیق بالقلب کا مرحلہ طے کرکے ایک مسلمان ایمانِ حقیقی کی منزل تک پہنچ کر آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔
- مؤمن وہی ہے جس کی زندگی جہاد فی سبیل اللہ سے عبارت ہے' یعنی جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ مومن کی جان اور مال اللہ نے جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔
- دین اسلام صرف مذہب یعنی عبادات و رسومات ہی کا نام نہیں' بلکہ انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں پر محیط ہے۔
- تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصد نظامِ عدل و قسط کا قیام تھا اور آج کے مسلمان کیلئے بھی اقامت دین ہی سب سے اولین فریضہ ہے۔
- اقامت دین کی ادائیگی کا فریضہ ایک مومن انفرادی سطح پر ادا نہیں کر سکتا۔ اس کیلئے انقلابی دینی جماعت درکار ہے جو بیعت کی منصوص' مسنون اور ماثور بنیاد پر استوار ہو اور منہجِ انقلابِ نبوی ؐ کے مطابق تمام انقلابی مراحل طے کرنے کا واضح شعور اور ہدف رکھتی ہو۔
- اللہ کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنا اصل جہاد ہے۔ اس جہاد سے اعراض نفاق کے مرض کو جنم دیتا ہے۔ اس نفاق سے بچنے کی کوشش کرنا عین ایمان ہے۔
- آج دین اسلام ثوابی دین بن چکا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو ثوابی دین کے چکر سے نکل کر عمل کی طرف پیش رفت کرنا چاہئے۔

- کفر بالطاغوت یعنی غیراللہ کی حکمرانی سے بغاوت کر کے ہی ایک مومن ایمان کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔
- شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور غیراللہ کی حکمرانی سب سے بڑا شرک ہے۔

نیز اس پروگرام کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر آیت گویا سننے والے کے اپنے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔ جس کا اظہار حاضرین نے برملا اور کئی بار کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے اس دورۂ ترجمہ قرآن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ نے مغربی تعلیم اور مستشرقین کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کیا اور قرآنی نظریات کو جدید عمرانی و سائنسی نظریات پر منطبق کر کے یہ بات سمجھائی کہ دور خواہ کوئی بھی ہو انسان صرف قرآن پر عمل کے ذریعے ہی دنیا و آخرت میں حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

رمضان المبارک کے ابتدائی ایام میں شرکاء سے تعارف حاصل کرنے کے لئے "تعارف فارم" تقسیم کئے گئے، جس میں نام، پتہ، پیشہ اور تجاویز کے کوائف رکھے گئے تھے۔ تمام لوگوں نے یہ فارم پُر کیا اور مختلف تجاویز دیں۔ چنانچہ تمام شرکاء کے اتفاق رائے سے پروگرام کی بہتری کیلئے کچھ انتظامی نوعیت کی معمولی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ اسی طرح رمضان کے وسط میں شرکاء کو تنظیم اسلامی میں شمولیت کیلئے معاونین فارم اور بیعت فارم دیئے گئے تاکہ جو افراد رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر اقامت دین اور نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا چاہیں، وہ بیعت فارم پُر کر سکیں۔ اور جو لوگ ابھی یہ اہم فیصلہ نہ کر پائیں وہ کم از کم معاونین کی حیثیت سے تنظیم اسلامی کے دست و بازو بنیں۔ بیسیوں افراد نے جوش و خروش کے ساتھ یہ فارم بھرے اور اپنی زندگیاں بدلنے کا عہد کیا۔

قرآن اکیڈمی کے شعبہ سمع و بصر کی طرف سے ناظم شعبہ آصف حمید کی سرکردگی میں اس پروگرام کی آڈیو اور ڈیجیٹل ویڈیو ریکارڈنگ کا اہتمام بھی تھا۔ تاکہ اپنی نوعیت کے اس منفرد پروگرام کو آئندہ دعوتی و تبلیغی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکے۔

جوں جوں رمضان کی بابرکت راتیں گزرتی گئیں۔ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخری عشرہ میں لوگوں کا ذوق و شوق دیکھتے ہوئے طاق راتوں میں بیان القرآن میں ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا گیا۔ تاکہ حاضرین کا زیادہ سے زیادہ وقت قیام اللیل میں شمار ہو سکے۔ اس عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنے والوں کی دلچسپی اور تعداد قابل ذکر ہے۔ تقریباً ۶۰ سے زیادہ افراد جامع القرآن میں معتکف ہوئے، جو گزشتہ سالوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

روزانہ سوال و جواب کی محافل میں بھی شائقین کا شوق دیدنی تھا۔ یہ نشست عموماً ساڑھے گیارہ بجے رات شروع ہوتی۔ لوگ ڈاکٹر صاحب سے اس روز کے مضامین قرآن میں آنے والے مباحث کے

بارے میں استفسار کرتے۔ اگرچہ یہاں بھی نوجوان طبقہ سب پر بازی لے گیا تھا۔ لیکن زیادہ عمر والے حضرات اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد مثلاً ڈاکٹر' انجینئرز' افسران اور پروفیسرز بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس نشست میں ہر قسم کے سوالات زیر بحث آتے اور لوگ ڈاکٹر صاحب کے جوابات سے اپنی علمی و رُوحانی پیاس بجھاتے۔

یہ رُوح پرور اور ایمان افروز پروگرام رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو اختتام پذیر ہوا۔ ستائیسویں رات کی برکتوں اور رحمتوں سے فیض یاب ہونے کیلئے گویا پورا لاہور ہی اُمڈ آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے "اسبابِ مجوبیٔ قرآن" کے عنوان پر اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ "آج قرآن اس لئے لوگوں کے دلوں پر اثر پذیر نہیں ہوتا کہ ہم قرآن کے بہت سے مباحث مثلاً شرک' سابقہ اقوام کے ذکر اور انبیاء کے واقعات کو اپنے لئے غیر متعلق "Irrelevent" سمجھتے ہیں۔ جبکہ ان مباحث کے ذریعے ہمارے اس دور کے شرک سے بچنے' سابقہ اقوام کے طرز عمل سے سبق حاصل کرنے اور انبیاء کے مقصد حیات کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔"

خطاب کے بعد ملک و ملت اور اسلام کی سربلندی کیلئے رقت آمیز دعا مانگی گئی اور تنظیم اسلامی کے معاونین اور عام شرکاء سے فریضہ اقامت دین کیلئے اپنا جان و مال وقف کرنے کا عہد لیا گیا آخر میں تنظیم میں شامل ہونے والے رفقاء نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مد ظلہ العالی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے والے رفقاء کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث متعدد چادروں کو جوڑ کر ایک طویل چادر بنائی گئی اور اس کے ذریعے بیعت لی گئی۔ شرکاء کے اصرار پر سوال و جواب کی محفل بھی منعقد ہوئی اور یوں یہ پروگرام رمضان کی ۲۷ ویں شب کو ڈھائی بجے رات اختتام کو پہنچا۔

قرآن اکیڈمی میں خلاصۂ مباحث قرآن کے مذکورہ بالا پروگرام کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں دورۂ ترجمہ قرآن اور خلاصۂ مباحث قرآن کے پروگرام متعدد مقامات پر منعقد ہوئے۔ دورۂ ترجمہ قرآن مع مختصر تشریح کے پروگرام پچیس سے زائد مقامات پر ہوئے' جن میں تنظیم اسلامی کے رفقاء و احباب نے مترجمین کے فرائض سرانجام دیئے۔ تین مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام حلقہ خواتین کے زیر اہتمام منعقد ہوئے' جن میں ترجمہ کی سعادت بھی خواتین ہی نے حاصل کی۔ مزید برآں بیان القرآن (خلاصۂ مباحث قرآن) کے پروگرام گیارہ مقامات پر' اور آڈیو / ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ترجمہ قرآن کے مکمل و مختصر پروگرام ۳۵ مقامات پر منعقد ہوئے۔ فالحمدللہ علی ذلک!

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

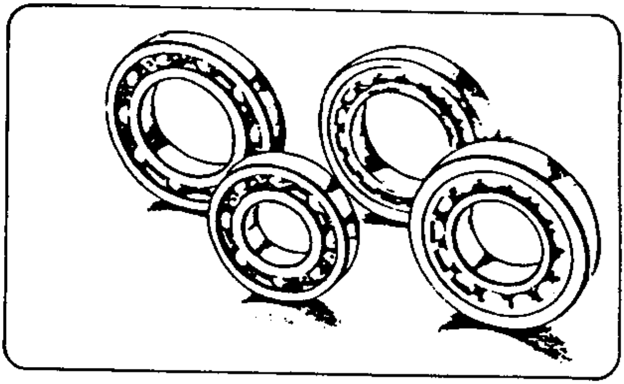

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 2
Feb. 1999

FOTO SCAN PH;7234042-7111906